Title

1
Arabian
Pg2

زیرِ سرپرستی
عبدالستار

پیشِ نظر

فہم و فکر

بنیاد کا پتھر	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینۂ زندگی	حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ	08

مضامین

منگتا	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	10
روزہ کیا تقاضا کرتا ہے	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	12
ٹوٹا ہوا تارا	ابنِ گل	14
خطابِ اقبال بہ نوجوانانِ امت	ڈاکٹر نوید جمیل ملک	16
مرے محبوب ؤر گزر اپناؤ	سید بلال پاشا	18
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	20
باورچی خانہ اور بیماری صحت	حکیم شمیم احمد	22

خواتینِ اسلام

باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	25
شام کے آنسو	بنتِ محمود	26
کہانی گر	قرۃ العین ہاشمی	28
عبرت کا نشان	کائنات عبدالحبیب	30
ضمیر کا بوجھ	آسیہ عمران	32
بے بسی	وزیہ ظفر	34

بچوں کا انتخاب / نصیحتِ اطفال

ننھے ادیب		36
بچوں کے فن پارے		37
عاشی کی عینک	ڈاکٹر الماس روحی	38
اور جابر جاگ گیا	زبیر فرید	39
انعامات ہی انعامات	ادارہ	40

بزمِ ادب

مناجاتِ الٰہی	ہارون رشید صقر	42
اچھی صحبت	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	ادارہ	44

اخبار الاسلام

خبرنامہ	ادارہ	46

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ
فہمِ دین
کراچی

مئی 2017ء

مدیر	محمد مخدوم شہزاد
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر فیض
نظرثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید عزیز

editor@fahmedeen.org

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0314-2981344 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0332-8278537
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
C-26 گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	25 ڈالر

ناشر	طابع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

فہم و فکر

بنیاد کا پتھر

مدیر کے قلم سے

ڈھانچوں میں تو لچک ہوسکتی ہے، لیکن بنیادیں قابلِ تبدیل نہیں ہوتیں۔ اگر بنیاد کا پتھر ہی تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا جائے تو وہ صرف پتھر کی تبدیلی کا فیصلہ نہیں، بل کہ اس پر کھڑی ہونے والی پوری عمارت ہی تبدیل کرنے کا فیصلہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی امت اسلامیہ کی ''بنیاد کا پتھر'' ہے، امتِ محمدیہ کا تشخص، ثقافت، اقدار، تمدن، بقا، عروج سبھی کا دارومدار اسی ''بنیاد کے پتھر'' پر ہے۔ امتِ اسلامیہ کا جو فرد بنیاد کے اس پتھر پر کھڑا ہے اور اس کی زندگی کی عمارت کا کوئی حصہ اس ''بنیاد کے پتھر'' پر بھی تعمیر ہوا ہوا ہے، وہ تو اس پتھر کی اہمیت کو سمجھتا ہے اور اس حقیقت کو جانتا ہے کہ جو بھی اس پتھر کو سرکانے کی کوشش کرے گا، وہ درحقیقت میرے تشخص کی عمارت کو ڈھانے کی کوشش کرے گا، وہ میری زندگی کا مقصد مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، پھر یہ اس کی ''انا'' کا نہیں، بل کہ ''بقا'' کا مسئلہ بن جائے گا، جب اس کی بنیاد پر زد پڑے گی، تو پھر زندگی اپنی تمام تر رنگینیوں کے باوجود بے معنی ہو جائے گی۔

اس کے برعکس جس کی ساری تعلیم وتربیت ہی کسی اور ''بنیاد'' پر ہوئی ہو، تو وہ بے چارہ پھر سچا ہے، پھر اس کا قصور نہیں، وہ اس بنیاد کی حفاظت کیوں کرے گا، جس پر اس کی سوچ و فکر کی عمارت ہی تعمیر نہیں ہوئی؟ وہ دیکھنے میں تو امتِ اسلامیہ کا ایک فرد لگ رہا ہوگا، لیکن حقیقت میں وہ ایک ''آوارہ پتھر'' ہوگا، جو کہیں سے لڑھک کر اس مقدس عمارت پر آپڑا ہے، جس کو نہ اس عمارت سے دِل چسپی ہے اور نہ اس کی ''بنیاد'' ﷺ سے۔

آج امتِ مسلمہ کے لیے المیہ یہ بن گیا ہے کہ اسے جدید تعلیم کے جھانسے سے نکالنا اور سوشل میڈیا کے بھینسے سے بچانا ایک مشکل کام بن گیا ہے۔ ایک طرف ''منبر و محراب'' ہیں، جو ''بنیاد کے پتھر'' کے محافظ بنے کھڑے ہیں اور انتہائی خوشی کی بات یہ ہے کہ پوری قوم اس عظیم مقصد میں ان کے شانہ بشانہ ہیں اور کسی بھی صورت نبی کریم ﷺ کی ناموس کی حفاظت سے ایک فی صد بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے اور دوسری طرف عصری تعلیم کا حسین لیبل ہے، جس میں دین بے زاری کی مکروہ شراب پلائی جارہی ہے، جب سالہاسال ان تعلیمی بھٹیوں میں پک پک کر ''بنیاد'' کم زور ہو جاتی ہے اور ''دین بے زاری'' کی نئی بنیاد جڑ پکڑ جاتی ہے اور ''رول ماڈل'' صحابہ کے بجائے مادیت کے علم برداروں کو سمجھا جانے لگتا ہے اور مادیت کے اِن سیاہ چشموں سے اسلام کی مقدس شخصیات بھی دھندلی نظر آنے لگتی ہیں تو ایسے میں کچھ کرائے کے لوگ سوشل میڈیا کے بے لگام بھینسے پر سوار ہو کر جیسے چاہیں، جہاں چاہیں ''بنیاد کے پتھر'' کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ نہ انھیں مقدس شخصیات نظر آتی ہیں اور نہ انھیں پوری قوم کے جذبات کا احساس ہوتا ہے۔

قارئینِ گرامی! دشمن کا کام تو گھناؤنا کھیل کھیلنا ہے، اس سے ہم کیا شکوہ کریں اور کیوں کریں؟ وہ تو جب محبوب رب دوجہاں ﷺ اس دُنیا میں موجود تھے، تب سازشوں سے باز نہیں آئے تھے تو اب جب کہ چودہ سو سال کی دوری پر کم زور ایمان والے اُن کے نام لیوا موجود ہیں، اب وہ کیوں نہیں شیر ہوں گے؟ لیکن کیا وہ اپنے کھیل میں کام یاب ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں! کیا وہ مادیت کے اس اُمڈتے سیلاب میں بہ ظاہر بہے چلے جاتے ہم جیسے کم زور ایمان والے مسلمانوں کی محبوب ہستی کو جیسے چاہیں مذاق کا نشانہ بناتے چلے جائیں گے اور دِلوں میں ایمان کی چنگاری پھر بھی نہ بھڑکے گی؟ ہرگز نہیں! ایسا مسلمانوں کی تاریخ میں نہ پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ اب ہو سکے گا۔ لیکن اس کے لیے ہمیں ہوش کے ناخن لینے ہوں گے، ہر وقت عشقِ نبی ﷺ سے معمور اور سنتِ رسول ﷺ سے بھرپور زندگی گزارنا ہوگی۔ ہمیں یہ تہیہ کرنا ہوگا کہ سوشل میڈیا کے کسی بھی پلیٹ فارم پر آنے والی کسی بھی مشکوک پوسٹ کو بلا سوچے سمجھے نہ لائیک کریں گے اور نہ فارورڈ، بل کہ علمائے کرام سے رہنمائی لیتے ہوئے خود بھی اس سے چوکنا رہیں گے اور دوسرے اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی خبردار کرتے رہیں گے۔

قارئینِ گرامی! ماہنامہ فہمِ دین کراچی بھی اسی ''بنیاد کے پتھر'' کا ایک ادنیٰ سا سپاہی ہے، یہ اس شعر کا مصداق ہے کہ

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

اب یہ تو آپ سب کو پہلے ہی سے علم ہے کہ اگلا شمارہ ''رمضان المبارک--- خصوصی اشاعت'' ہے۔ رمضان کے روزے ہوں گے، قرآن کی تلاوت ہوگی اور اس کے ساتھ ماہنامہ فہمِ دین کی ''رمضان المبارک--- خصوصی اشاعت'' ہوگی، جو رمضان، روزہ اور اس کے ثواب کو مختلف پہلوؤں سے ذکر کرکے گرمی سے ٹوٹتے حوصلوں کو جواں رکھنے میں مدد کرے گا۔ تو ملتے ہیں اگلے ماہ ''خصوصی اشاعت'' کے ساتھ اور ہاں ایک بات یاد سے، اپنے پیاروں کو ''خصوصی اشاعت'' کا ہدیہ دینا نہ بھولیے گا۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

آل عمران: 21-27

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ 21

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور انصاف کی تلقین کرنے والے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں' ان کو دردناک عذاب کی ''خوشخبری'' سنادو۔ 21

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ 22

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہوچکے ہیں اور ان کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہیں ہوں گے۔ 22

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ 23

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا کہ انھیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے' اس کے باوجود ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ کر انحراف کر جاتا ہے۔ 23

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ
وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ 24

ترجمہ: یہ سب اس لیے ہے کہ انھوں نے یہ کہا ہوا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہرگز نہیں چھوئے گی اور انھوں نے جو جھوتی باتیں تراش رکھی ہیں انھوں نے ان کے دین کے معاملے میں ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ 24

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ 25

ترجمہ: بھلا اس وقت ان کا کیا حال ہوگا' جب ہم انھیں ایک ایسے دن (کا سامنا کرنے) کے لیے جمع کر لائیں گے' جس کے آنے میں ذرا بھی شک نہیں ہے اور ہر ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ 25

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ
بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ 26

ترجمہ: کہو کہ: ''اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے' تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے[1]۔ 26

تشریح نمبر 1: جب غزوۂ احزاب کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی تھی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گی تو کفار نے بڑا مذاق اڑایا کہ ان لوگوں کو اپنے دفاع کے لیے خندق کھودنی پڑ رہی ہے اور ان پر فاقے گزر رہے ہیں۔ مگر دعوے یہ ہیں کہ یہ روم اور ایران فتح کر لیں گے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں' جن میں مسلمانوں کو یہ دعا تلقین فرما کر ایک لطیف پیرائے میں ان کا جواب دے دیا گیا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ 27

ترجمہ: تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے[2] اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کر لیتا ہے اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے[3] اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ 27

تشریح نمبر 2: سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے تو گرمیوں کے دن کا کچھ حصہ رات بن جاتا ہے اور گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے تو سردیوں کی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح نمبر 3: مثلاً بے جان انڈے سے جاندار چوزہ نکل آتا ہے اور جاندار پرندے سے بے جان انڈا۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

رمضان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک خطبہ دیا...اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے' اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے' اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے' جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے' جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لیے) افطار کرایا تو اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہو گا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا' بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے...آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہو پاتا (تو غریب اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سے لسّی پر یا صرف پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔ (رسول اللہ ﷺ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ (اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے' اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا' جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا... (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اس ماہِ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا' اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا...

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...اس خطبۂ نبوی ﷺ کا مطلب واضح ہے' تاہم دو باتوں کی وضاحت میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

1)...اس خطبے میں ماہِ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں' بل کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قربِ الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعے اب ایک دن بل کہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے' جتنی پرانے زمانے میں سینکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قربِ الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی' وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

2)...خطبے کے آخر میں فرمایا گیا ہے: "رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے۔" اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں' ایک وہ اصحابِ صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے' بل کہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے' جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں' لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمالِ خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے اور اپنی بد اعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں' وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ واللہ اعلم!

2
Burger Shack
Pg7

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

نیکی اور برائی کا معیار: فخر اسی چیز پر کیا جاتا ہے، اسٹیٹس اسی چیز کو بنایا جاتا ہے جو انسان کی نظر میں اچھی ہوتی ہے، اسی کو معیار بنایا جاتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حال ہوگا کہ لوگوں کے ہاں نیکی کا معیار ہی بدل جائے گا، برائی کا معیار ہی بدل جائے گا اور گناہ اسٹیٹس بن جائے گا۔ ہر ایک کی خواہش ہو گی کہ بڑھیا محفل ہو جس میں شراب بھی ہو، موسیقی بھی ہو، مرد عورت کا اختلاط بھی ہو، اس محفل کا تو مزہ ہی نہیں ہوتا کہ جس میں یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔ جب معیار ہی بدل جائے، برائی جب اسٹیٹس کا درجہ حاصل کر لے گناہوں کا ارتکاب فخر بن جائے تو پھر توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ اس معاشرے سے اللہ ایمان کو سلب کر لیا کرتا ہے۔

حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق برائی کو اچھائی اور اچھائی کو برائی سمجھنے کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ ہم گناہ ہوتے ہوئے دیکھیں اور انھیں نظر انداز کر دیں۔ ہم برائیاں ہوتے ہوئے دیکھیں اور چشم پوشی کرتے رہیں۔ وسیع الظرف بننے اور مقبولیت حاصل کرنے کے لیے مداہنت سے کام لیتے رہیں، تاکہ سب ہی خوش رہیں، کوئی ناراض نہ ہو۔ دنیا والوں کی ناراضی سے بچنے کے لیے رب کو ناراض کر رہے ہو؟ کتنا بڑا نقصان کر رہے ہو؟ اپنے محسن کو ناراض کر رہے ہو، اپنے خالق حقیقی کو ناراض کر رہے ہو! یہ دنیا والے تمہیں کیا دیں گے؟ اس رب کو ناراض کر کے زندگی کا سہارا تمھیں کہاں ملے گا؟

یہ وقت تب آتا ہے جب لوگ گناہ کو عزت کا معیار بنا لیتے ہیں۔ یہ وقت تب آتا ہے جب آدمی ابتدا میں گناہ کو نظر انداز کرتا رہتا ہے، آنکھوں کے سامنے گناہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اور انھیں نظر انداز کرتے ہوئے گناہ کی محفل میں بلا تردّد شریک ہوتا ہے۔ جب نیک لوگ (اچھے خاصے نمازی) بھی گناہوں کی مجلس میں شریک ہونا شروع کر دیتے ہیں تو اس سے سامنے والے کو اور زیادہ جرأت ہوتی ہے، وہ اور زیادہ جرأت سے گناہ کے کام کرنے لگتا ہے۔

کسی کی رعایت نہ کریں: نمازی کہتے ہیں کہ کیا کریں جناب. برادری کا معاملہ ہے، خاندان کا معاملہ ہے۔ تم بھی ان کے خاندان کا حصہ ہو، وہ تمہاری کیوں رعایت نہیں رکھتے، تم اللہ کو ناراض کر کے ان کی رعایت کر رہے ہو، تم بھی تو آخر ان کے رشتے دار ہو۔ ان کا بھی تم سے کوئی رشتہ ہے، وہ تمہاری رعایت کیوں نہیں رکھتے؟ اگر تم بائیکاٹ کر رہے ہو تو انہیں بھی احساس ہونا چاہیے کہ یہ اللہ کے لیے کر رہا ہے، کیا وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے تمہیں راضی نہیں کر سکتے؟ عجیب منطق ہے، کہتے ہیں خاندان کی بات ہے۔ اگر واقعی ان کو ہم سے اتنا ہی تعلق ہے تو پھر گناہوں کی محفلیں کیوں سجاتے ہیں؟ یہ گناہوں کا ماحول کیوں بناتے ہیں؟

حکمت اور مداہنت میں فرق: حکمت یہ ہے کہ گناہ کے اندر شرکت نہ ہو اور طریقے سے، تدبیر سے اس گناہ کے اندر تبدیلی لائی جائے، اسے نیکی سے بدل دیا جائے۔ یہ حکمت نہیں ہے کہ گناہوں کی محفل کے اندر شریک ہو جائیں۔ اگر گناہوں میں شریک ہونا حکمت ہوتی تو انبیا علیہم السلام اسے ضرور اختیار کرتے۔ ایک مرتبہ کفار مکہ ایک وفد کی صورت میں حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم اتفاق و اتحاد کی بات کرنے آئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اتفاق ہو جائے اور ایک نکتے پر سب جمع ہو جائیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ ایسا کرتے ہیں کہ ایک سال تک ہم آپ کے ساتھ مل کر آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور ایک سال آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے معبودوں کی عبادت کریں، یوں اتفاق ہو جائے گا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر وحی کے ذریعے سورۂ کافرون نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجیے: "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔" تم اپنا کام کرو میں گناہوں میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا۔

مجھے اپنا کام کرنے دو، میرے لیے میرا دین اور تمہارے لیے تمہارا دین ہے، تم میرے ساتھ نیکیوں میں شریک نہیں ہو سکتے اور میں تمہارے ساتھ گناہوں میں شریک نہیں ہو سکتا۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں تمہارے لیے تمہارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین اور گناہ کرنے والوں کو گناہ سے نہ روکا جائے۔ لوگ آج اس آیت کا مطلب یہی سمجھتے ہیں کہ میاں کرنے دو اسے، اس نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ اگر اختیار میں ہے تو اسے روکیں، ورنہ میری آخرت بھی خراب ہو گی۔

ایمان کی تکمیل کیسے؟ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔'' یعنی جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند کرو، یہی انصاف ہے اور یہی اچھے اخلاق کا تقاضا ہے۔ اس شخص نے حضور اکرم ﷺ سے دوسرا سوال کیا کہ یارسول اللہ:

''میری چاہت ہے کہ میرا ایمان کامل ہو جائے۔''

آپ ﷺ نے اسے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اپنے اخلاق بڑھیا بنالو تمہارا ایمان مکمل ہو جائے گا۔'' یعنی تمہارے ایمان کا کامل اور مکمل ہونا تمہارے اچھے اخلاق پر موقوف ہے، جس قدر تمہارے اخلاق میں نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا، اسی قدر تمہارے ایمان میں صفتِ کمال کا ظہور ہوتا چلا جائے گا۔

اخلاق والے کا مرتبہ: جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے، ایسے ہی اپنے اخلاق میں حسن پیدا کرنے سے بھی ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ رب العزت کے دربارِ عالی میں قرب نصیب ہوتا ہے، حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کی اہمیت سمجھاتے ہوئے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے: ''ایک بندہ مومن اپنے بلند اخلاق کی بدولت اس شخص کا مرتبہ پا لیتا ہے جو رات بھر اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور دن بھر روزے رکھتا ہے۔'' یعنی ایک شخص ایسا ہے کہ وہ اپنی ہر رات اللہ رب العزت کے سامنے نفل نماز پڑھتے، تلاوت کرتے اور مناجات کرتے ہوئے گزارتا ہے اور ہر دن روزہ رکھتا ہے جب کہ دوسرا شخص اگرچہ نفلی عبادات کا عادی تو نہیں ہے لیکن اس نے اپنے اخلاق سنوارنے کی محنت خوب کی ہے اور اخلاقی اعتبار سے وہ نیک نام ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس بااخلاق آدمی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے اخلاق کی بدولت کل قیامت میں راتوں میں تہجد پڑھنے والے اور دنوں میں روزہ رکھنے والے کے مقام و مرتبہ کو پالے گا۔

اخلاق کی بنیاد کیا ہے؟ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق نہ بتاؤں؟ وہ یہ کہ تم جوڑو اس سے جو تم سے توڑ رہا ہے، عطا کرو اسے جو تمہیں محروم کر رہا ہے، درگزر کا معاملہ کرو اس کے ساتھ جو تم پر ظلم کر رہا ہے۔'' یہ ہیں دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق کہ جو تم سے تعلق توڑ رہا ہو تم اس سے تعلق جوڑے رکھو، جو تمہیں تمہارے حق سے محروم رکھ رہا ہو، نظر انداز کر رہا ہو تم اسے اس کا حق پورا پورا ادا کر دو اور جو تم پر ظلم کر رہا ہو، ناانصافی کر رہا ہو تم اس کے ساتھ معافی اور درگزر والا معاملہ کرو، ساری اخلاق کی بنیاد یہی ہے اور سب سے عمدہ اخلاق یہی ہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان عمدہ اخلاق کی جامع اور زندہ تصویر تھے، ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی معاملہ میں بات کچھ بڑھ گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر گھر کی طرف چل دیے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ انھیں منانے کے لیے ان کے پیچھے ہو لیے، گھر پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کواڑ بند کر لیے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو سیدھے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی خیال ہوا کہ یہ میں نے کیا کیا! فوراً کواڑ کھولا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں جا پہنچے، اور دونوں آپ ﷺ کی مجلس میں اکٹھے ہو گئے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے اور عمر مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں آپ میری سفارش کر دیں تاکہ وہ مجھے معاف کر دیں، ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ غلطی ان سے نہیں مجھ سے ہوئی ہے آپ ان سے میرے لیے سفارش کر دیں کہ صدیق رضی اللہ عنہ مجھے معاف کر دیں اور مجھ سے راضی ہو جائیں۔

الحمد للہ! ہر وقت زبان پر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ'' ہو، ہر وقت ہماری زبانیں اللہ کا شکر ادا کر رہی ہوں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا: ''کیسی صبح کی تم نے؟'' اس نے کہا: ''بہت اچھی۔'' آپ ﷺ نے پھر پوچھا، اس نے دوسری مرتبہ بھی یہی جواب دیا۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو اس نے کہا: ''الحمد للہ'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہی سننا چاہتا تھا۔''

اللہ کے نبی نے سکھایا ہے کہ ہر کام کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا کرو۔

نیند سے بیدار ہو رہے ہو تو کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْہِ النُّشُوْرُ

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا۔

قضائے حاجت سے فارغ ہو کر باہر نکل رہے ہو تو کہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَذْهَبَ عَنِّی الْأَذٰی وَعَافَانِیْ

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھ سے ایذا دینے والی چیز دور کی اور مجھے چین دیا۔

کیا یہ کم نعمت ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں کھانے کے بعد اس کے خروج کا راستہ بند نہیں کیا۔ اگر اسے بند فرما دیتے تو آدمی تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔

جب اپنے بچوں کو عافیت کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھیں تو ''الحمد للہ'' کہیں، سواری پر سوار ہوں، دستر خوان پر بیٹھیں، طرح طرح کے کھانے کھائیں، کوئی خیر کا کام کریں تو دل سے اللہ کا شکر ادا کریں کہ یہ سب میرے اللہ کا احسان ہے، اسی کا فضل و کرم ہے میں تو اس قابل نہیں تھا۔ ہر وقت زبانوں پر یہی ہو الحمد للہ! الحمد للہ! اور اللہ کی نافرمانی اور اس کی ناشکری سے توبہ کریں۔

منگتا

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

مانگنے کا دعویٰ ہر کوئی کرتا ہے اور مانگنے کی رسم ہم روز نماز کے بعد نبھاتے ہیں اور مانگنے کی تعلیم بھی سب دیتے ہیں اور
مانگتا بھی ہر کوئی ہے، مگر منگتا کوئی کوئی ہوتا ہے۔ شاید لاکھوں میں ایک۔
منگتا وہ ہوتا ہے جسے مانگنا آجائے اور اب ایسے لوگ نایاب ہو گئے۔
مانگنا عبادت کا انعام نہیں اور نہ ہی کوئی اختتامی طرزِ عمل ہے، جو عبادت کی تکمیل کرے۔ مانگنا تو بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔
منگتا وہ ہے جسے مانگنے میں لذت ملے، جسے مانگنے کے سوا کوئی کام ہی نہ رہے۔ وہ چلتا پھرتا، جیتا جاگتا، اٹھتا بیٹھتا، بولتا اور چپ سراپا مانگ ہو۔
جو بولے تو مانگے، چپ ہو تو مانگے، اس کی چپ خدا کی چپ سے باتیں کرے، وہ ہاتھ اٹھائے تو دعائیں دوڑتی ہوئی آئیں اور اسکے ہاتھوں کے بوسے لے۔
منگتا وہ ہے جو فقیر ہو، بھکاری نہیں۔ بھکاری سب سے مانگتا ہے فقیر ایک سے۔
منگتے سے بڑا فقیر شہر میں کوئی نہیں ہوتا، وہ بس ہر وقت جھولی پھیلائے مانگتا ہی رہتا ہے اور اسے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کچھ ملے یا سب کچھ مل جائے۔
اُس کی منتیں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں، جو ملا، دے دیا۔ جو پایا، بانٹ دیا۔ جو عطا ہوا، لٹا دیا اور پھر وہی منگتے کا منگتا ہی رہا۔
جب مانگنے کی لذت مراد سے بڑھ جائے، جب عرضی کا حسن عطا سے سَوا ہو جائے، جب سوال کی چاشنی جواب سے آگے نکل جائے،
جب فرشتے دلوں میں مانگ پھونکیں اور اٹھتے ہوئے ہاتھوں پہ آمین کہیں، جب اللہ بندے کی طرف یوں آئے جیسے ماں اپنے بچے کی پکار پر اس کی طرف آتی ہے،
جب دل کی پہنچ عقل کو پیچھے چھوڑ جائے، جب تخیل کی پرواز ذاتِ الٰہی کا طواف کرے، پھر کوئی بنے ہے منگتا۔
منگتا جب چپ ہو جائے تو قدرت صدا لگاتی ہے کہ مانگو اور جب وہ گویا ہو تو قدرت سب کو چپ کرا دے کہ سنو۔ جب یہ روئے تو قدرت کہے اک بار مسکرا دو۔
یہ ایک ایسا مانگنے والا ہوتا ہے جسے خالی جانا منظور نہیں ہوتا، اس کا دل دھونکنی بن جاتا ہے، ایسی گھٹی گھٹی آوازیں نکالتا ہے کہ موت کا گمان ہو۔
اسے اپنے مالک پہ یقین ہوتا ہے کہ دعا قبول ہو کے رہے گی۔ وہ کاتب سے قلم و صفحات مانگ لیتا ہے اور پھر بغیر لکھے واپس کر دیتا ہے۔
یہ منگتا مانگنے پر آئے تو خدا کو خدا سے مانگ لے۔ یہ اسے مانگتا ہے جو سب کو دیتا ہے۔
یہ نور سے نور مانگتا ہے، رنگ سے رنگ مانگتا ہے، تجلی سے تجلی مانگتا ہے اور اپنی مانگ کی تپش میں خود ہی جل کر خاک ہو جاتا ہے۔
سات ارب کی دنیا میں ان کا کوئی نہیں ہوتا۔ کوئی ہاتھ اِن کے لیے نہیں اٹھتا۔
یہ رات کے اندھیروں میں ربِ کائنات سے سب کے لیے دعا مانگ کر، سب کے صدقے سے اپنے لیے "منگتے" کی پوسٹ مانگ لیتے ہیں۔
مانگنا نشہ بن کے اِن کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ ان کا خدا کے سوا، خدا کی قسم! کوئی نہیں ہوتا۔ اپنا آپ بھی نہیں۔
ان کا دل مالک کے نشے میں ایسا ڈوبا ہوتا ہے کہ اپنا وجود تک نہیں پہچان پاتا، کہ کس جسم کی قید میں دھڑکتا ہے۔
ایسے بندے کو کبھی نہیں تنگ کرنا چاہیے، جس کا اللہ کے سوا کوئی نہ ہو۔
یہ دیوانے دنیا لٹا کر بھی ہنستے رہتے ہیں، کوئی مقابلہ کرے تو کیسے۔ منگتے اپنی مراد کسی اور کو دے کر ذکر کی لذت مانگ لیتے ہیں۔
دنیا انھیں حقیر جان کر دھتکارتی ہے، طعنے دیتی ہے، بد دعائیں دیتی ہے، کافر و ملحد پکارتی ہے۔
یہ سب سنتے ہیں مگر چپ رہتے ہیں کہ رات تو آنی ہے، سورج تو ڈوبے گا، تاریکی تو چھائے گی، ہاتھ تو اُٹھیں گے،
پھر دیکھتے ہیں کون منگتا بنے تو کون مانگ۔ کس کو دنیا ملے تو کس کو دنیا بنانے والا۔

3 Shangrilla

Pg11

روزہ کیا تقاضا کرتا ہے

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کی خصوصیت صرف یہ ہے کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور رات کے وقت تراویح پڑھی جاتی ہے۔ اور بس، اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت نہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں عبادتیں اس مہینے کی بڑی اہم عبادات ہیں۔ لیکن بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی، بلکہ درحقیقت رمضان المبارک ہم سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

رمضان کے معنی: صحیح لفظ "رمَضان" میم زبر کے ساتھ ہے۔ اور لوگوں نے "رمَضان" کے بہت سے معنی بیان کیے ہیں۔ لیکن اصل عربی زبان میں "رمَضان" کے معنی ہیں۔ "جھلسا دینے والا اور جلا دینے والا" جب اس ماہ کا نام رکھا جا رہا تھا۔ اس سال یہ مہینہ شدید جھلسا دینے والی گرمی میں آیا تھا۔ اس لیے لوگوں نے اس کا نام "رمضان" رکھ دیا۔

اپنے گناہوں کو بخشوالو: علمائے کرام فرماتے ہیں اس کو "رمضان" اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے گناہ جلا دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔ گیارہ مہینے دنیاوی کاروبار، دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلتیں دل پر چھا گئیں اور اس عرصے میں جن گناہوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا، ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر انہیں بخشوالو اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھا دو، تاکہ زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے لہٰذا صرف روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اس مہینے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے کاموں سے فارغ کر لے، گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں لگے رہے۔ لیکن یہ مہینہ انسان اس کی اصل مقصد تخلیق کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے۔ اس لیے اس مہینے کے تمام اوقات، ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے، اللہ کی عبادت میں صَرف کرے اور اس کے لیے انسان کو پہلے سے تیار ہونا چاہیے اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہیے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے: جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کر لیا تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے؟ جہاں تک روزوں کا تعلق ہے تو ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ رکھنا فرض ہے اور جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے، اس سے بھی ہر شخص واقف ہے، لیکن ایک پہلو کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ الحمد للہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس کا تقدس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے اور کچھ نوافل زیادہ پڑھے۔ جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب الحمد للہ اس ماہ کی برکت ہے کہ لوگ عبادت میں، نماز میں، ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مہینہ اس طرح گزار لو: لیکن ان سب نفلی عبادات اور تلاوت قرآن کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے' جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس مہینے کو گناہوں سے پاک کرکے گزارنا کہ اس ماہ ہم میں سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے' نظر غلط جگہ پر نہ پڑے' کان غلط چیز نہ سنیں' زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکلے اور اللہ تبارک کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو۔ یہ مبارک مہینہ اگر اس طرح گزار لیا' پھر چاہے ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو اور تلاوت زیادہ نہ کی ہو اور نہ ذکر و اذکار کیا ہو' لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتے ہوئے یہ مہینہ گزار دیا تو آپ قابل مبارک ہیں۔ اور یہ مہینہ آپ کے لیے مبارک ہے۔ گیارہ مہینے تک ہر قسم کے کام میں مبتلا رہتے ہیں۔ اب یہ اللہ تبارک کا ایک مہینہ آرہا ہے۔ کم از کم اس کو تو گناہوں سے پاک کرلو۔ اس میں تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو' اس میں تو کم از کم جھوٹ نہ بولو' اس میں تو غیبت نہ کرو' اس میں تو بد نگاہی کے اندر مبتلا نہ ہو' اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو' اس میں تو رشوت نہ کھاؤ' اس میں تو سود نہ کھاؤ' کم از کم یہ ایک مہینہ تو اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ ہوا؟ روزے کے معنی یہ ہیں کہ کھانے سے اجتناب کرنا' پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا' روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہٖ حلال ہیں' کھانا حلال' پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال' اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کرِ رہے ہیں۔ نہ کھا رہے ہیں اور نہ پی رہے ہیں' لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں؛ مثلاً جھوٹ بولنا' غیبت کرنا' بد نگاہی کرنا' جو ہر حال میں حرام تھیں۔ روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں۔ اب روزہ رکھا ہوا ہے اور جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور غیبت کر رہے ہیں۔ رزہ رکھا ہوا ہے اور بد نگاہی کر رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے' لیکن وقت پاس کرنے کے لیے گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ کیا روزہ ہوا؟ کہ حلال چیز تو چھوڑ دی اور حرام چیز نہیں چھوڑی۔ اس لیے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو مجھے اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔

روزے کا ثواب ملیامیٹ ہو گیا: اگرچہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہو گیا۔ اگر کسی مفتی سے پوچھو گے کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا اور جھوٹ بھی بولا تھا۔ تو وہ مفتی یہی جواب دے گا کہ روزہ درست ہو گیا' اس کی قضا واجب نہیں۔ لیکن اس کی قضا واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے کا ثواب اور برکات ملیامیٹ ہو گئیں' اس واسطے کہ تم نے اس روزے کی روح حاصل نہیں کی۔

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے' تمام مسلمان ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ روزہ رکھنا' تراویح پڑھنا ضروری ہے اور تلاوت قرآن کو چوں کہ اس مہینے سے خاص مناسبت ہے' اس لیے جتنا زیادہ ہو سکے' اس مہینے میں تلاوت کریں اور اس کے علاوہ چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کریں۔ تیسرے کلمے' درود شریف اور استغفار کا چلتے پھرتے کثرت کا اہتمام کریں۔ اور نوافل کی جتنی کثرت ہو سکے' کریں۔ عام دنوں میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا' لیکن رمضان المبارک میں چوں کہ انسان سحری کے لیے اٹھتا ہے' تھوڑا پہلے اٹھ جائے اور سحری سے پہلے تہجد پڑھنے کا معمول بنا لے۔ اس ماہ میں نماز خشوع کے ساتھ خصوصاً مرد باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرلیں اور ان سب چیزوں سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنے کی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان المبارک کے انوار و برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

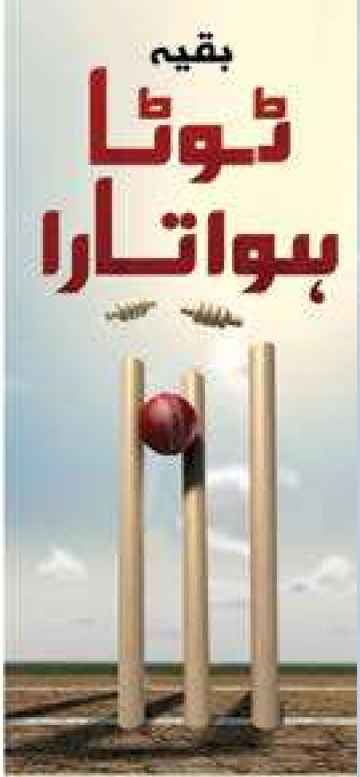

"کرکٹ... کرکٹ سبب ہے اس کی خودکشی کا... بل کہ یوں سمجھیں وہ قاتل ہے اس کی" میں ایک بار پھر چونکا۔

"کک... کرکٹ!" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں کرکٹ' نہ جانے کہاں سے وہ اس کا اتنا دیوانہ ہو گیا تھا' میں تو اسے انجینئر بنانا چاہتا تھا' ملک و مذہب کی خدمت کے لیے' لیکن افسوس! کرکٹ کے نشے میں اس نے میری ایک نہ مانی... دِن رات کرکٹ کے پیچھے پڑا رہا... میری ساری جمع پونجی اُڑا دی' میں پیار سے اس کو سمجھاتا رہا' مگر اس نے میری باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ ایک دن میرے صبر کا پیمانہ لب ریز ہو گیا' میں نے سختی سے اُسے کرکٹ کھیلنے سے منع کیا' مگر میں نے کوئی ایسی انہونی بات بھی نہیں کہی تھی' اتنا تھوڑا بہت تو میں پہلے بھی کہہ دیا کرتا تھا' نجانے اُس کے دِل کو کیا ٹھیس پہنچی کہ میں جب کسی کام کے لیے گھر سے باہر گیا تو مقامِ حسرت! واپسی پر میں اُس کی لاش ہی دیکھ سکا۔ اس نے خودکشی کرلی تھی۔"

اس نے گلاب کا ایک مرجھایا ہوا پھول اپنی ہتھیلی پر رکھا' اُسے چوما اور پھر بولا: "تم ہی بتاؤ... میں کیا کرتا؟ میرا ایک ہی بیٹا تھا' پہلے کرکٹ کے نشے میں اس نے اپنا تعلیمی مستقبل خراب کیا اور پھر خود بھی اس خونخوار دیوتا کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اب میرے بڑھاپے کا سہارا کون بنے گا؟ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ یہ کرکٹ کا آسیب کب تک ہمارے بچوں کے دماغوں پر سوار رہے گا؟ آخر کب تک؟؟؟"

میں گم صم کھڑا اسے دیکھ رہا تھا... میری زبان گنگ ہو گئی تھی... میں نے خود بھی تھوڑی بہت کرکٹ کھیلی ہے' مگر کرکٹ کا یہ بھیانک رُخ میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا... اصل بات یہ ہے کہ میڈیا نے کرکٹ کا چرچا ہی اتنا کیا ہے کہ یہ ہماری رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگی... کبھی ورلڈ کپ... کبھی ایشیا کپ... کبھی شارجہ کپ... اور اب سپر لیگ!!!... پھر کبھی کرکٹ فیوَر کا نعرہ لگا کر... تو کبھی کرکٹ کے کھلاڑیوں کو ملکی ہیروز کی صورت میں پیش کر کے۔ مجھے یاد آیا کہ گزشتہ ورلڈ کپ ہار جانے کے موقع پر ہمارے ایک جاننے والے نے ٹی وی پر فائر کیا... تو گولی پلٹ کر اُس کی چھوٹی بیٹی کو لگی۔

ہمارے نوجوان اپنے اکثر اوقات کرکٹ میچ کھیلنے (چلو تفریح کی حد تک اسے درست کہا بھی جا سکتا ہے۔) یا ٹی وی پر دیکھنے میں صَرف کر دیتے ہیں' جس سے ان کی تعلیمی اور تخلیقی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔ وہ جوان جو کبھی اقبال کا شاہین تھے' آج پستی کے جھینگر (cricket) بن گئے ہیں۔ میں اُن بزرگ کو کوئی جواب نہ دے سکا۔ میری آنکھوں سے آنسو کے چند قطرے ٹپکے۔ اِن قطروں میں حُزن وملال کے ساتھ ایک سوال تھا...

کبھی اے نوجوانِ مسلم! تدبُّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا' تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا؟

ٹوٹا ہوا تارا

ابنِ گل

بادِ صبا کے خوشگوار جھونکے ماحول کو پُر کیف بنا رہے تھے ...پرندے مست و سرشار اٹھکیلیوں میں مگن تھے ...بقول اقبال۔

فضا نیلی نیلی ہوا میں سُرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طُیور

سمندری ہوائیں اپنی پُشت پر ننھے ننھے قطروں کے موتی لادے، فضا سے زمین پر ٹپکا دیتیں...تو پودوں اور درختوں کی ٹہنیاں جھوم جھوم کر ان کو اپنے دامنوں میں سمیٹ لیتیں۔ گھاس پر پڑے شبنم کے قطرے، سورج کی تازہ کرنوں سے چمک کر، موتیوں کا منظر پیش کر رہے تھے ...کہتے ہیں جنت کا موسم بھی صبح کی مانند ہوگا۔ یہی شاعرانہ موسم ہے، جو فجر کے بعد مجھے سونے نہیں دیتا...میں نماز و تلاوت کے بعد کھیتوں کی طرف نکل جاتا ہوں اور بڑی دیر تک فطرت کے ان حسین مناظر سے ہم کلامی کرتا ہوں۔

روزانہ کی طرح آج بھی کچھ ایسے ہی ہوا۔ میں حسب معمول سیر کرتے ہوئے گاؤں کے واحد قبرستان پہنچا...جو سیر کے دوران عموماً میری آخری منزل ہوتی ہے، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ قبرستان ہی زندگی کے سفر کی آخری منزل ہے۔ یہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر دعا وایصالِ ثواب کرتا ہوں اور پھر اپنے گھر کی راہ لیتا ہوں۔

آج جب میں قبرستان پہنچا تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا... میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ...یہ کوئی آواز تھی ...بلک بلک کر رونے کی آواز...آواز بھی مردانہ، لیکن کہاں سے آرہی ہے...؟ یہ ایک معمّہ تھا۔ یہ آواز بیر کی ایک جھاڑی سے برآمد ہو رہی تھی... جھاڑی کے سبز نوخیز پتوں سے بوندا باندی کے ہلکے ہلکے قطرے، آنسوؤں کی طرح ٹپک رہے تھے، جھاڑی کے پیچھے ایک تازہ قبر تھی...گلاب کی شبنمی لال پتیاں قبر پر بکھری ہوئی تھیں... جھاڑی کی اوٹ میں اُدھیڑ عمر کا ایک شخص، چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں دیے بے اختیار رو رہا تھا... یہ آواز اسی کی تھی۔ اس کی داڑھی کے بال آدھے سفید تھے ...حلیے سے کوئی کسان لگ رہا تھا...اس کی درد بھری سسکیاں قبرستان کے سنّاٹے کو توڑ رہی تھیں... کبھی کبھی کسی کو روتے دیکھ کر پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں... میرے ساتھ بھی آج ایسا ہی ہوا...اس کے غم میں، میرے بھی آنسو چھلک پڑے۔

''شاید اپنی شریک حیات کی جدائی میں نڈھال ہیں۔'' میں نے دل میں سوچا۔

''مجھے تسلی کے دو بول بولنے چاہئیں، شاید اس طرح ان کا غم ہلکا ہو جائے۔'' یہ سوچتے ہوئے میں آگے بڑھا۔ میری نظر قبر کے کتبے پر پڑی، جس پر لکھا تھا :

رشید ولد سرور... عمر: 17 سال

تو گویا یہ ان کی بیوی کی نہیں... بل کہ کسی اور کی قبر ہے، مگر یہ ان کے کیا لگتے ہیں؟ میں نے اُن کی کمر سہلائی: ''چچا جان! صبر کریں... حوصلہ کریں... موت ایک اٹل حقیقت ہے...ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے...ہر انسان کو ایک دِن یہاں سے کُوچ کر جانا ہے...اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' انھوں نے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا... فوراً اٹھے اور مجھے گلے لگا لیا اور مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے... یہاں تک کہ بچوں کی طرح گھگی بندھ گئی۔ میں نے پہلی بار کسی مرد کو اتنا روتے دیکھا۔

''بالکل تمہارے جیسا تھا وہ ...خوب رُو نوجوان... بہت لاڈ اور محنت سے پالا پوسا...ہر ضرورت کا خیال رکھا، اسکول پڑھایا، ابھی ابھی میٹرک پاس کیا تھا، مجھے تو امیدیں وابستہ تھیں اس سے، لیکن میرے بیٹے! میرے جگر! یہ کیا کیا تم نے! اپنے بوڑھے باپ کا بھی خیال نہیں کیا!'' وہ آہوں اور سسکیوں کے درمیان زیادہ لمبی بات نہ کر سکے۔

مرحوم اُن کا بیٹا تھا، لیکن اصل کہانی کیا تھی؟ میں ابھی تک سمجھ نہیں پایا۔ ''مرحوم کا انتقال کیسے ہوا؟'' میں نے سوال کیا۔

''انتقال... کیسا انتقال!...انتقال نہیں... خودکشی!... خودکشی کی ہے میرے ناسمجھ بیٹے نے۔'' انھوں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''خو...خود... کشی!'' میں بہت زور سے اُچھلا۔ میں مزید سوال نہ کر سکا۔ خودکشی کا لفظ سنتے ہی میرے دِل میں ہَول اٹھنے لگے۔ میرا رُواں رُواں لرزنے لگا۔ میرے ذہن میں خودکشی کی ممکنہ وجوہات کی فہرست بننے لگی... محبت میں ناکامی... خواہشات کی عدمِ تکمیل... تعلیم میں دُشواری... گھر میں لڑائی جھگڑا وغیرہ وغیرہ...

''جاننا چاہتے ہو، اس کی خودکشی کا سبب کیا ہے؟'' وہ خود ہی بول اُٹھے۔

''جج...جی۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔

(بقیہ ص 13 پر)

4
new Zaiby
Pg15

خطابِ اقبال بہ نوجوانانِ اُمت

ڈاکٹر نوید جمیل ملک

اقبال کے دل میں سوز و گداز ہمیشہ سے کچھ ایسا تھا کہ وہ اپنی فارسی نظم و غزل کے ذریعے نوجوانوں سے اکثر مخاطب ہوئے ہیں۔ ''خطاب بہ جاوید'' میں جب وہ نوجوانوں سے کلام کی ابتدا کرتے ہیں تو کچھ یوں گویا ہوتے ہیں۔

اے نوجوانو! میں جو گفتگو تم سے کرنے کے لئے یہ محفل سجا رہا ہوں'اِس سے شاید کچھ حاصل نہ ہو سکے 'کیوں کہ جو بات میں تم سے کرنا چاہتا ہوں'اُس بات کو دل سے زبان پر لانا ناممکنات میں سے ہے۔ میں اگرچہ اپنی شاعری اور فلسفہ میں سینکڑوں نکتے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں'مگر تمہیں کہنے کے لیے ایک نکتہ اب بھی میرے پاس ہے'مگر وہ ایک نکتہ بحرِ بے کراں ہے اور ایک کتاب سے بھی کچھ زیادہ کا متقاضی ہے'اِس لیے اُسے زبان سے چند لفظوں میں کہنا آسان نہیں۔ اگر اُسے چند لفظوں میں بیان کروں گا تو میرے الفاظ اور میری آواز بھی شاید میرا ساتھ نہ دے پائے۔ یوں صرف ایک نکتہ ہوتے ہوئے بھی وہ بات کہیں اور پیچیدہ نہ ہو جائے۔ ہاں اگر اُس ایک بات کا سوز تم حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں میرے جیسی نگاہِ دلِ زندہ اور میری جیسی آہِ سحر گاہی اپنے اندر پیدا کرنا ہو گی۔

اے نوجوانو ! سنو! تم نے اپنی ماں کی آغوش میں آنکھ کھولی اور تمہاری ماں نے تمہیں لاالہ کے کلمے سے روشناس کرایا۔ تمہاری ماں نے اپنے ہونٹوں کی جنبش سے تمہیں لاالہ سے زندگی بخشی۔ تمہیں دین و ایمان کی ہمیشہ رہنے والی دولت عطا کی۔ تمہارے وجود کی کلی اِسی لاالہ کی نرم و گداز ہوا سے کھل اُٹھی اور تمہاری ذات میں رنگ و بو بھی اِسی لاالہ سے پیدا ہوا۔ اِس لیے 'اے نوجوانو! تم یہ جان لو کہ تمہاری قیمت تمہاری ماں کی بدولت اور اِسی لاالہ کی وجہ سے ہے۔

اے نوجوانو! لاالہ کا سبق اپنی ماں سے تم نے سیکھ لیا' سو اب تم مجھ سے وہ نگاہ طلب کرو' وہ ذوقِ نگاہ حاصل کرو جو تمہیں لاالہ کی آگ میں جلا کے رکھ دے اور یہ جلنا تمہیں لاالہ کا وہ سوز عطا کرے کہ تم اپنی روح میں ڈوب کر لاالہ ایسے کہو کہ تمہارے جسم و جان سے لاالہ کی خوشبو آنے لگے۔ یاد رکھو' اے نوجوانو! جب تم روح میں ڈوب کر سوزِ دل کے ساتھ لاالہ کہتے ہو تو اِسی سوز سے سورج اور چاند کی گردش قائم ہوتی ہے اور تمہارا یہی سوز میں نے بارہا پہاڑوں اور تنکوں میں اپنی نگاہِ ذوق سے جا بجا دیکھا ہے۔ اے نوجوانو ! لاالہ صرف دو لفظ ہی نہیں' بل کہ اصل میں لاالہ کا یہ کلمہ ایک بے نیام تلوار ہے اور اِس شمشیرِ بے نیام کی ضرب بہت کاری ہے۔ اے نوجوانو! لاالہ کے سوز کے ساتھ یا اِس کے سوز میں جینا ہی دراصل قہاری ہے اور قہاری ہونا اللہ کی صفت ہے۔

اے نوجوانو! تم مسلمان ہو' مومن ہو اور مومن ہوتے ہوئے غلامی کا کپڑا کمر پر باندھنا یعنی آرام سے بیٹھ رہنا' غداری اور نفاق کی زندگی بسر کرنا' تمہاری شان نہیں۔ افسوس کہ آج کے مسلمان نے اپنے دین و ملت کو ایک کوڑی کے بدلے بیچ دیا۔ اپنا تمام اثاثۂ زندگی اور اپنا گھر تک جلا ڈالا۔ آج کے مسلمان کی نماز جس میں پہلے کبھی توحید کا رنگ ہوا کرتا تھا' اب اُس میں صنم آشنائی آگئی ہے۔ اُس کا نیاز کبھی ناز سے بھرا تھا' اب وہ ناز ہی اُس کے نیاز میں نہیں رہا۔ آج کے مسلمان کی نماز میں' اُس کے روزے میں حق کا جلوہ جو کبھی ہوا کرتا تھا' اب نہیں رہا۔ اُس کے

روزے‘ اُس کی نمازیں بے نور ہو چکی ہیں۔
وہ مسلمان جس کی زندگی کا محور کبھی اللہ کی ذات تھی‘ اب اُس کی زندگی فتنوں میں مبتلا ہو گئی ہے اور اُس کی زندگی مال کی محبت اور موت کے خوف سے عبارت ہے۔ اُس کی زندگی میں نہ ذوقِ تقاضا ہے اور نہ شوقِ تماشا۔ دین و ایمان‘ جو کبھی مسلمان کے وجود میں ہوا کرتا تھا‘ اب وہ کتابِ الٰہی میں بند ہو کر رہ گیا ہے اور یہ مسلمان قبر میں اُتر چکا ہے‘ مر چکا ہے‘ مٹی کا ڈھیر بن چکا ہے۔
آج کا مسلمان اور تم‘ جدید دور سے متاثر ہو اور اُسی کے سحر میں گرفتار ہو۔ دین کا لفظ آج کے دور کے جھوٹے پیغمبروں سے سن کر آج کا مسلمان مطمئن ہو بیٹھا ہے۔ اِن میں سے ایک جھوٹا پیغمبر ایران سے تھا‘ جو حج سے بیگانہ تھا اور دوسرا ہندی تھا‘ جو جہاد سے بے بہرہ تھا۔ اب اگر اے مسلم نوجوانو! تم اِن دو جھوٹے پیغمبروں سے دین لے کر حج اور جہاد سے بیگانہ ہو گئے تو پھر تمہاری نمازوں اور روزوں میں توحید کا رنگ اور نیاز مندی کہاں سے آئے گی!!! تمہاری نماز اور روزہ کے جسم سے تو جان ہی نکل جائے گی‘ یہ دونوں بے روح ہو جائیں گی۔ یاد رکھو! جس قوم کی نماز اور روزے میں جان نہ رہے‘ روح جاتی رہے تو وہ اُس قوم کے فرد بے لگام ہو جاتے ہیں اور قوم و ملت میں کوئی تنظیم نہیں رہتی اور جب تنظیم نہیں رہتی تو وہ قوم اِنتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ آج کے مسلمانوں اور آج کے نوجوانوں کے سینے قرآن کی حرارت سے بھی خالی ہیں۔ مسلمان اپنی خودی فراموش کر بیٹھا ہے۔ ایسے مسلمان سے‘ ایسے نوجوانوں سے بہتری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔
کبھی مسلمان کا قیام و سجود ایسا تھا کہ اُس کے سجدے سے زمین کانپ جایا کرتی تھی۔ اُسی مسلمان کی خواہش پر اللہ چاند اور سورج کو گردش دیا کرتے تھے۔ یہ سجدے ایسے ہوا کرتے تھے کہ اگر پتھر پر اِن کے نشان ثبت کیے جائیں تو وہ پتھر دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو جائیں۔ آج کے مسلمان کا سجدہ محض سر جھکا دینا ہے۔ جیسے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے کوئی چیز جھک جاتی ہو‘ آج کا مسلمان بھی ایسے ہی سجدے میں بس جھک جاتا ہے۔ اب تو اِس کی ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کی تسبیح میں شان و شوکت بھی نہیں رہی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ حاملِ قرآن ہو کر‘ صاحبِ قرآن ہو کر بھی آج کا مسلمان‘ آج کا نوجوان‘ ذوقِ طلبِ حق سے محروم ہے۔ تعجب ہے‘ پھر تعجب ہے‘ پھر تعجب ہے۔

بقیہ مرے محبوب درگزر اپنائیے

آقا کے جاں نثاروں کے ہاتھ نیاموں کی طرف اٹھتے ہیں‘ گردن اڑانے کے لیے بڑھتے ہیں‘ لیکن رحمتِ عالم ﷺ کی صفتِ درگزر جوش میں آتی ہے: ”انہیں آنے دو! ہزار کافروں کو قتل کرنے سے زیادہ مجھے یہ پسند ہے کہ ایک آدمی اسلام لے آئے۔“ حضرت وحشی اسلام قبول کرتے ہیں اور کے شرف سے سرفراز ہوتے ہیں (۱۷)۔ مشرکین تنگ کرنے کے واسطے کہتے ہیں: ”یہ تو شاعر ہے۔“ ربِ ذوالجلال نبی کی جانب سے جواب کو قرآن بنا کے اتار دیتا ہے: ”یہ شاعر تھوڑا ہی ہیں۔“
کفار الزام لگاتے ہیں کہ یہ کاہنوں میں سے لگتا ہے‘ نبی ﷺ درگزر کرتے ہیں‘ لیکن خالقِ کائنات جواب دیتا ہے: ”یہ کاہن بھی نہیں ہیں‘ یہ تو معزز رسول ہیں۔“
نبی کلمے کی دعوت دیتا ہے‘ نبی کے اپنے ہی چلاتے ہیں: ”تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ“ آقا ﷺ خاموش ہیں۔ ۔۔ لیکن ربِ محمد جواب میں ایک پوری سورت اتار دیتا ہے: ”ابو لہب! تو تو برباد ہو ہی گیا۔“
بعد از خدا‘ دنیا کی بزرگ ترین ہستی میدانِ اُحد میں زخمی ہو چکی ہے‘ عمر فاروق رضی اللہ عنہ محبت اور جلال کے مارے کہتے ہیں: ”میرے محبوب! میں اپنے ماں باپ آپ پر قربان کر دوں‘ ان ظالموں نے آپ کی جماعت کو روند ڈالا‘ چاند سے زیادہ روشن چہرے کو زخمی کیا‘ موتیوں سے بھی چمک دار دانتوں کو شہید کیا‘ ان کے لیے بددعا کیوں نہیں کرتے آپ؟“ حضور ﷺ کے ہاتھ اٹھتے ہیں: ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۸)۔“ فلک منتظر تھا کہ ابھی پکار ہو گی اور قہرِ خدا ٹوٹے گا ظالموں پر۔۔۔ لیکن وہ ذاتِ محمد ﷺ تھی‘ نہ صرف یہ کہ بددعا نہیں فرمائی‘ بلکہ شفاعت کی: ”مولا بخش دے انہیں!“ پھر طرف داری کی: ”اللہ میری ہی قوم تو ہے۔“ پھر آقا نے وجہ بھی بتا دی: ”میرے مولا! یہ لوگ واقعی جانتے نہیں ہیں کہ یہ کیا کر رہے ہیں! (۱۹)“
کیا کیا لکھیں‘ کیا کچھ چھوڑیں۔ ابھی تو مجھ جیسے کم علم کی نوکِ قلم پر بھی واقعات چھلکنے کو تیار ہیں۔ عفو و درگزر کی ایسی مثالیں رہتی ہیں‘ جن کو اپنے اندر سمو کے تاریخ بھی خود کو مکمل سمجھ رہی ہے اور زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ پکار رہا ہے:

مَضَتِ الدُّهُوْرُ فَمَا اَتَيْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَقَدْ اَتٰى فَعَجَزْنَ عَنْ نُظَرَائِهٖ

ترجمہ: زمانے پر زمانے گزر گئے‘ پر ان جیسا نہیں لا سکے‘ اور جب وہ آئے تو خدا کی قسم! اب ان جیسا لانے سے عاجز آ گئے۔

حوالہ جات:
1. شرف المصطفیٰ ۱/۲۸۹
2. سورۃ الانبیاء ۱۰۷
3. سورۃ الاعراف ۱۹۹
4. الشمائل المحمدیۃ ۲۱۶
5. ملخص من عیون الاثر۔ ۱۵۶‘ ۱۵۵
6. ملخص من صحیح البخاری ۴/۱۱۵
7. ملخص من صحیح البخاری ۴/۱۱۵
8. ملخص من صحیح البخاری ۴/۱۱۵
9. المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۳۴۲
10. المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۳۴۲
11. فتح الباری ۷/۱۶۹
12. عیون الاثر ۱/۱۲۳
13. صحیح البخاری ۱/۵۷
14. البدایہ والنھایہ ۳/۳۶
15. عیون الاثر ۲/۳۰
16. سورۃ النحل ۱۲۷
17. الروض الانف ۵/۳۱۷
18. ملخص من صحیح المسلم ۳/۱۴۱۷
19. الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱۴۹

انسان گناہوں کے دلدل میں کتنا ہی ڈوب چکا ہو، دین کی بات کرنے میں کیسا ہی بے باک کیوں نہ ہو گیا ہو، مگر جب بات آتی ہے محبوبِ خدا کی ذات پر لکھنے کی، تو دل لرز جاتا ہے۔۔۔رُواں رُواں چیخ اٹھتا ہے۔۔۔کہ کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

جس ذات کو تخلیقِ آدم سے پہلے ہی انبیا کی سرداری کا تاج پہنا دیا گیا۔(۱) گناہ گار وجود سے اس کا پاکیزہ نام گستاخی نہ قرار پا جائے۔۔۔لیکن اگر ضمیر زندہ ہو، دل میں ایمان کی

میرے محبوب درگزر اپنائیے

سید بلال پاشا

چنگاری باقی ہو تو روح کو چین نہیں آتا کہ زندگی ہو اور تذکرۂ محمد ﷺ نہ ہو، سانس ہو اور درودِ نبی ﷺ نہ ہو، قلم ہو اور مدحتِ رسول ﷺ نہ ہو، یہ ہو نہیں سکتا۔

جب نظر سرورِ کونین ﷺ کے عفو و درگزر، رحمت و کرم اور حِلم و صبر پر پڑتی ہے تو نظر ہے کہ تھک جاتی ہے، لیکن نبی ﷺ کی سیرت کا فقط یہ پہلو بھی مکمل نہیں ہو پاتا۔ رب ذوالجلال نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو سراپا شفقت بنایا(۲)۔ کیا کافر، کیا مومن؟ کیا مرد کیا عورت؟ کیا غلام، کیا آزاد؟ رحمت برسی تو سب پر برسی۔ خدا نے فرمایا: میرے محبوب! درگزر کا رویہ اپنا لو(۳)۔ محبوبِ خدا ﷺ میں شفقت و نرمی ایسی رچ بس گئی کہ گھر کے خادم انس پکار اٹھے کہ میں نے ریشم تک کو بھی چھو لیا، لیکن آقا ﷺ کے ہاتھوں سے نرم و نازک کوئی چیز نہ پائی(۴)۔ نہ جانے دل کی نرمی کی انتہا کیا ہو گی!

یہی نرم دل کے مالک خدا کے پیغامِ توحید کو لوگوں تک پہنچانے نکلتے ہیں۔ پکار صرف یہ تھی کہ ایک اللہ کو مان لو، کام یابی ہی کام یابی ہے۔ لیکن بد بختوں نے پتھروں کی بارش کی۔۔۔انبیا کے سردار چلے جا رہے ہیں، پتھر پڑ رہے ہیں، خون مبارک بہہ رہا ہے، ایڑیاں لہو سے لب ریز ہیں، کمزوری کے مارے گر پڑتے ہیں، حالت ایسی نازک کہ پتھر دل دشمنوں عتبہ اور شیبہ کے سینوں کو بھی ہلا کے رکھ دیا(۵)۔

مخلوق کی طرف سے بے توقیری ایسی کہ جبرئیل تڑپتے ہوئے پہنچے:

”رسولِ خدا! ملک الجبال حاضر ہے، بس حکم کریں۔“

ملک الجبال ہاتھ باندھے کہہ رہے ہیں: اگر حکم ہو تو پہاڑ گرا کر پیس ڈالوں؟(٦)۔“

ابھی تو محمد مصطفیٰ ﷺ گھر بھی نہ پہنچے تھے کہ ظلم کا احساس کم ہو گیا ہوتا، اس واقعہ کو عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ناقدری کو بھولے ہوتے، بل کہ یہ دن تو پیارے نبی ﷺ کو ہمیشہ یاد رہا۔۔۔امی عائشہ کو ایک دن کہنے لگے: ”عائشہ! سفرِ طائف کا دن تو بڑا ہی سخت گزرا تھا(۷)۔“ حضور ﷺ ابھی بہتے خون میں وہیں نڈھال تشریف فرما ہیں، فرشتوں کا سردار جواب کے انتظار میں ہے، بلند چوٹیوں کا نگران پہاڑوں کو لرزا دینے کے لیے بے چین ہے، لیکن رحمتِ عالم ﷺ کے لب ہلتے ہیں۔۔۔”امید ہے اللہ ان کی نسل میں اچھے لوگ پیدا کرے گا، جو شرک سے پاک ہوں گے، ایک اللہ کی عبادت کریں گے(۸)۔“ فرشتے تک دنگ رہ گئے عفو و درگزر کا یہ عالم دیکھ کر۔

یہ تو ایک غیر قوم کی حرکتیں تھیں، ادھر اپنی قوم کا حال یہ تھا کہ زبان مبارک ﷺ سے کلمہ نکل رہا ہے اور بد بخت گالیاں بک رہے ہیں(۹)، جس کی زندگی کی قسم خود خدا نے کھائی، اس کے اوپر تھوک رہے ہیں(۱۰)۔

یہ پڑھ کر، ربِّ کعبہ کی قسم! آنکھیں چھلکتی ہیں کہ ایک دن قریش نے کائنات کی وجہِ تخلیق کو اس قدر مارا کہ محبوبِ خدا ﷺ بے ہوش ہو گئے، یارِ غار تڑپ کر پہنچا تو اُن پر بھی ٹوٹ پڑے، ان پر ایسا تشدد کیا کہ زخموں کی شدّت کے مارے سر پر ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے(۱۱)۔ قوم کا حال یہ تھا کہ ان کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے نبی کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے ہیں اور بد بخت ابو جہل اپنے ساتھیوں سمیت گستاخیاں کر رہا ہے(۱۲)۔ جس کے اشارے پر چاند کے بھی ٹکڑے ہو رہے ہیں، سجدہ کی حات میں اس کی پشت پر عقبہ بن معیط اوجھڑی ڈال رہا ہے، اوجھڑی بھی اونٹ کی(۱۳)۔ کوئی ساحر کہہ رہا ہے تو کوئی کاہن کہتے نہیں تھکتا اور کسی نے شاعر کی رٹ لگا رکھی ہے(۱۴)۔

اپنی قوم کے ان ظلم و ستم میں شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ ایمان لاتے ہیں تو نبی الزمان ﷺ کو کفار کے مظالم سے نجات ملتی ہے، اسلام کو تقویت ملتی ہے، علی الاعلان توحید کی دعوت دی جاتی ہے، اس لیے آقا کو چچا جان سے بے پناہ محبت ہے۔۔۔پھر یہی چچا اُحد کے میدان میں شہید ہوتے ہیں، جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے ہیں، غم کے مارے سرورِ کونین ﷺ قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم ستر لاشوں کا یہ حال کریں گے(۱۵)۔ حمزہ کی اہمیت تو ستر سے بھی زیادہ تھی، لیکن رب ذوالجلال قرآن اتار دیتا ہے کہ ”میرے محبوب! صبر و درگزر کرو(١٦)۔“

مخاطب وہ ہے جس سے بڑا فرماں بردار تخلیق نہیں کیا گیا، پیارے نبی ﷺ کی صفتِ عفو جوش مارتی ہے، آپ قسم توڑتے ہیں، کفارہ دیتے ہیں اور سرے سے معاف فرما دیتے ہیں۔ عفو و درگزر کی بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی، آگے چلیے۔ چچا جان حمزہ کا قاتل دربارِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوتا ہے،

(بقیہ ص 17 پر)

5
Zuyufureh-man
Pg19

مسائل
پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال: ایک باپ اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے' یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہوجاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی' تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہیے؟ کیوں کہ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما سکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہوگا یا صرف باپ ہی کو ہوگا؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں بالغ ہونے اور علم ہو جانے کے بعد تو بچے بھی گناہ گار ہوں گے' لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہیے' البتہ والدین کی خدمت واکرام میں کوئی کمی نہ کریں اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو اس کو بھی پورا کیا کریں۔

بنجر (غیر آباد) زمین کی ملکیت

سوال: سنا ہے بنجر زمین جس آدمی نے آباد کی ہو' وہ اس کے لیے حلال ہے' کاغذات' مال میں ملکیت کا کوئی وزن نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ یہ مسئلہ اس بنجر زمین کا ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اس کو حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے' لیکن جس بنجر زمین کے مالک موجود ہوں' اس کا ہتھیا لینا جائز نہیں۔

فلیٹوں کے مشترکہ اخراجات ادا نہ کرنے کا حکم

سوال: ہم جس اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر ہیں' وہ ڈیڑھ سو فلیٹس پر مشتمل ہے۔ اس میں چوکیدار کا نظام' پانی کی سپلائی اور صفائی کے اخراجات کی مد میں فی فلیٹ ماہانہ پیسے لیے جاتے ہیں' تاکہ اوپر بیان کردہ سہولتیں مکینوں کو مہیا کی جائیں' کچھ مکین ایک بھی پیسہ نہیں دیتے' لیکن ساری سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں جب اجتماعی سہولتیں سب اٹھاتے ہیں تو حقوق العباد کے ناطے ان کے واجبات بھی سب کے ذمے لازم ہیں۔ ان میں اگر کچھ لوگ واجبات ادا نہیں کرتے تو گویا دوسروں کا مال ناحق کھانے کے وبال میں مبتلا ہیں' جو سراسر حرام ہے اور قیامت کے دن ان کو بھرنا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ "جانتے ہو مفلس (غریب) کون ہے؟ عرض کیا: ہمارے یہاں تو مفلس وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز' روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا' لیکن اس حالت میں آئے گا کہ فلاں کو گالی گلوچ کیا تھا' فلاں پر تہمت لگائی تھی' فلاں کا مال کھایا تھا' فلاں کو قتل کیا تھا' فلاں کو مارا پیٹا تھا' فلاں کا مال چھینا تھا' پس اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں ختم ہو گئیں' مگر لوگوں کے حقوق ادا نہیں ہوئے تو حقوق کے بقدر لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔" (مشکوٰۃ' ص: 435) اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ قیامت کے دن ایسی حالت میں بارگاہِ الٰہی میں پیش ہو کہ لوگوں کے حقوق (جان' مال' عزت اور آبرو کے بارے میں) اس کے ذمے نہ ہوں' ورنہ آخرت کا معاملہ خاص طور پر حقوق العباد کے سلسلے میں بڑا سنگین ہے۔

رات کو ڈیوٹی کے دوران باری باری سونے کا حکم

سوال: میں ایک پاور ہاؤس میں ملازم ہوں' مہینے میں ایک ہفتہ رات کی ڈیوٹی کا ہوتا ہے جس میں میرے ساتھ کام کرنے والے ساتھی دو تین گھنٹے باری باری سو کر آرام کر لیتے ہیں' جس کا ہمارے افسران کو بھی علم ہے۔ زیادہ تکان کے وقت کبھی کبھی افسران بھی آرام کر لیتے ہیں' لیکن میں دو سال سے اسے ناجائز سمجھنے کی وجہ سے نہیں سو رہا' پوری رات جاگنے کی وجہ سے صحت پر کافی اثر ہوتا ہے اور رات 3-4 بجے کے بعد ڈیوٹی بھی صحیح انجام نہیں دے پاتا۔ اس سلسلے میں آپ سے رہنمائی کا طالب ہوں۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ کا طرزِ عمل صحیح ہے' لیکن اگر افسران کی

طرف سے دو تین گھنٹے سونے کی اجازت مل جاتی ہے اور اس سے کام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا تو سونے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم!

دفتر کی اسٹیشنری گھر میں استعمال کرنے کا حکم

سوال: سرکاری ملازمین کو دفتروں میں جو اسٹیشنری ملتی ہے، کبھی کام کم ہونے کی وجہ سے پوری طرح سرکاری استعمال میں نہیں آسکتی، پھر دوسرے ماہ اور سامان مل جاتا ہے، چناں چہ فاضل اسباب لوگ گھر لے جاکر بچوں کے استعمال میں دے دیتے ہیں۔ کیا یہ تمام اشیا ملازمین کے ذاتی حقوق کی مد میں آتی ہیں اور ان کا ذاتی اور گھریلو استعمال اسلامی اصولوں کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ سرکاری سامان کو گھر لے جانا درست نہیں، الا یہ کہ سرکار کی طرف سے اس کی اجازت ہو۔

قیمت سے زائد بل بنوانے کا حکم

سوال: ہماری ایک دکان ہے۔ ہمارے پاس کوئی گاہک آتا ہے اور جو مال پچاس روپے کا ہوتا ہے، ہم سے کہتا ہے کہ اس کا بل پچپن روپے کا بنادو! لیکن ہم ایسا نہیں کرتے تو گاہک چلا جاتا ہے، دوسری دکان سے بل بڑھا کر مال لے لیتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: یہ تو جھوٹ ہے، البتہ اگر 55 روپے کی چیز فروخت کرکے پانچ روپے چھوڑ دیے جائیں تو جائز ہے، مگر یہ رعایت بھی اس ادارے کے لیے ہے، جس کا نمائندہ بن کر یہ شخص مال خریدنے کے لیے آیا ہے۔ زائد رقم کا بل لے کر، زائد رقم کو اپنی جیب میں ڈال لینا اس کے لیے حرام ہے۔

دلّالی کی اجرت کا حکم

سوال: اگر میں کسی شخص کو مشینری، اس کے پارٹس وغیرہ اپنی معرفت خرید کردوں اور دکان دار سے کمیشن حاصل کروں تو کیا یہ کمائی حلال ہے؟ مثلاً: کسی کارخانے دار یا کاروباری شخص کو اپنے ہم راہ لے جاکر کسی بڑی دکان سے دس بیس ہزار کا مال خرید کر اسے دلوایا اور بعد میں دکان دار سے مال بکوانے کا کمیشن حاصل کیا تو کیا یہ جائز ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ یہ دلالی ہے اور دلالی کی اجرت جائز ہے۔

گاڑیاں فروخت کرنے کا کمیشن لینے کا حکم

سوال: زید مختلف قسم کی گاڑیوں کی خرید وفروخت کا کام کرتا ہے، زید گاڑیاں خود نہیں خریدتا، بل کہ دو آدمیوں کے درمیان وکیل بنتا ہے اور ان کا سودا طے کراتا ہے اور دونوں آدمیوں سے اپنا کمیشن یا معاوضہ جو کہ پہلے سے طے ہوتا ہے، لیتا ہے۔ آیا یہ معاوضہ یا کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے۔

سرکاری ملازمین کا سستے داموں خریدے ہوئے مال سے کمیشن وصول کرنا

سوال: سرکاری ملازمین، وزرا اور افسران، جو سرکاری اداروں کے لیے مال خریدتے ہیں، اگر کمپنی کی طرف سے رعایت یا کمیشن دیا جائے تو کیا وہ اسے اپنے لیے رکھ سکتے ہیں؟

جواب: واضح رہے کہ کمیشن لینا صرف ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو فروخت کنندہ کمپنی کی طرف سے وکیل اور نمائندے بن کر مال فروخت کرتے ہوں، وہ لوگ چوں کہ اس کمپنی کے ملازم ہوتے ہیں، اس لیے ان کا اس کمپنی سے اجرت لینا جائز ہے۔

باقی سرکار کے ملازم، وزرا اور وہ افسران جو سرکاری اداروں کے لیے مال خریدتے ہیں، چوں کہ اس فروخت کرنے والی کمپنی کے وکیل اور نمائندے نہیں ہوتے، بل کہ وہ سرکار کے وکیل اور نمائندے ہوا کرتے ہیں، اس لیے سرکاری ملازمین کا سرکاری اداروں کے لیے جو سامان خریدتے ہیں، وہ کمپنی سے جتنی قیمت پر ملا ہو، اتنی ہی قیمت پر متعلقہ سرکاری محکمے کو پہنچانا ضروری ہے اور کمپنی کی جانب سے جو رعایت یا کمیشن دیا جاتا ہے، اس کو سرکاری ملازمین اور افسران کا یا وزیرانِ بے تدبیر کا خود ہضم کرجانا شرعاً خیانت ہے، اس لیے ان کا اپنے ادارے کے لیے خریدی ہوئی چیز میں سے کمیشن وصول کرکے اسے خود ہضم کرنا کسی طرح جائز نہیں، بل کہ قومی خزانے میں خیانت اور حرام ہے۔

کیا ذہنی معذور بچے کو بھی وراثت دینا ضروری ہے؟

سوال: میرے تین بچے ہیں: دو لڑکے اور ایک لڑکی۔ ان کے درمیان وراثت کا معاملہ یوں تو صاف ہے، یعنی پانچ حصوں میں دو دو لڑکوں کے اور ایک لڑکی کا، مگر اس میں غیر معمولی بات جو حل طلب ہے وہ یہ کہ میرا بڑا لڑکا پیدائشی کمزور دماغ کا غیر معمولی حالت کا ہے، یعنی نہ وہ بول سکتا ہے، نہ اس کو عقل وشعور ہے۔ اس غیر معمولی حالت کی وجہ سے میں نے اس کو انگلینڈ میں ایک بچوں کے ہسپتال نما اسکول میں داخل کردیا تھا، جس کی دیکھ بھال اور کل اخراجات حکومتِ انگلینڈ اٹھاتی ہے۔ گویا ایک طرح میرا خون کے رشتے کے علاوہ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب ایسی حالت میں وہ حق دار تو ضرور ہے، مگر وراثت کا استعمال نہ وہ کرسکتا ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ وہ طالب ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ جائیداد صرف ان دونوں بچوں کو ہی دے دی جائے، تین حصے کرکے: ایک لڑکی کا اور دو لڑکے کے؟

جواب: معذور اولاد تو زیادہ ہمدردی کی مستحق ہوتی ہے، نہ کہ اس کو وراثت سے محروم کردیا جائے۔ لہٰذا معذور بچے کا حصہ محفوظ رکھیں، خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور امکانی وسائل کے ساتھ اس کا حصہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بہرحال معذوری کی وجہ سے اسے میراث سے محروم کرنا جائز نہیں۔

تورئی کو عربی میں قیشا ہندی اور انگریزی میں Zucchini کہتے ہیں اور اس کا نباتاتی نام Luffa Acutangula ہے۔ عرف میں اسے کالی تورئی اور گھیا تورئی کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ایران کے نفیس مزاج باشندے اس سبزی کو بہت پسند کرتے اور اسے شاہ تورئی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

طبِّ یونانی کی رو سے اس کا مزاج سرد تر ہے۔

قدرت ہر موسم میں انسانی جسم کی ضرورت کے مطابق پھل اور سبزیاں پیدا کرتی ہے۔ موسمی پھلوں کے علاوہ موسمی سبزیوں کو بھی استعمال کرنا چاہیے۔ سبزیاں پکانے کے لیے اس میں گھی قلیل مقدار میں استعمال کرنا چاہیے اور سبزیاں ہلکی آنچ پر پکائیں' انھیں بطورِ دوا نہیں' بل کہ بطورِ غذا استعمال کریں۔ ایک دو تولہ سبزی تو دوا کا کام دیتی ہے۔ غذا کے طور پر نصف پاؤ تک تو جسم اور عمر کے حساب سے کھائیں۔ موسمِ گرما کی سبزیوں میں تورئی لذیذ اور مفید غذائی اجزا سے بھرپور ہے۔ تورئی پکاتے وقت اس کا چھلکا نہیں اتارنا چاہیے' کیوں کہ اس میں حیاتین اور دیگر قوت بخش اجزا ہوتے ہیں۔ تورئی پکاتے وقت اس میں ٹماٹر ڈالیں' جب کہ سرخ مرچ کم استعمال کریں۔ غذائی افادیت کے علاوہ تورئی کے گوناگوں طبّی فوائد بھی ہیں' جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

// تورئی کے فوائد //

- یہ پیشاب آور ہے اور بدن کی گرمی اور خشکی دور کرتی ہے۔
- تورئی جسم سے فاسد مادوں کو خارج کرتی ہے۔
- دماغی کام کرنے والوں اور طلبہ کے لیے عمدہ غذا ہے۔
- یہ غذائیت آمیز اور ہلکی دست آور ہے۔
- تورئی ایسی ہی قسم کی غذا ہے کہ رات سوتے وقت ایک پاؤ پکی ہوئی تورئی کھائیں تو قبض خود بخود ٹھیک ہو جاتی ہے۔
- بخار کی حالت میں' بواسیر اور پیشاب میں خون آنے کی صورت میں تورئی سرخ مرچ کے بغیر پکا کر کھائیں تو فائدہ ہوتا ہے۔
- تورئی بدن کی جلن' چہرے کی زردی اور ذہن میں آنے والے عجیب و غریب وسوسوں کے ازالے کے لیے بھی مفید غذا ہے۔
- جو لوگ خون کی کمی کا شکار ہیں انھیں بھی یہ بکثرت استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں فولاد کے اجزا بہت پائے جاتے ہیں۔ اس طرح بدن سے خون کی کمی دور ہو جاتی ہے۔
- تورئی کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ہلکی ہونے کی بنا پر جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ ایسے حضرات کے لیے بھی جن کا معدہ کمزور ہو' یہ موزوں غذا ہے۔
- گھیا تورئی' میٹھی' ٹھنڈی' بھوک بڑھانے والی' پت کو دور کرنے والی' بخار' دمہ' کھانسی کو دور کرنے والی اور کیڑوں کو مارنے والی سبزی ہے۔
- گھیا تورئی کے نرم پتوں کو کوٹ پیس کر اس کا رس نکال کر ویسلین وغیرہ میں مرہم بنا کر زخم پر لگانے سے زخم ٹھیک ہو جاتے ہیں۔
- گھیا تورئی کے پھولوں کی پلٹس بنا کر گانٹھ پر باندھنے سے یا اس کے پتوں کے رس میں گڑھ' سیندور اور تھوڑا سا چونے کا پانی ملا کر گرم کر کے گانٹھ پر لیپ کرنے سے گانٹھ بیٹھ جاتی ہے۔

- گھیاتوری کے پتوں کے رس میں روغن بابونہ ملا کر گرم کیجیے' جب یہ قابل برداشت حد تک ہو جائے تو سوجن زدہ مقام پر اس کا لیپ کیجیے' اس سے سوجن دور ہو جاتی ہے۔
- چھوٹی چھوٹی کچی توریوں کو سینک کر کچے پھوڑوں پر باندھنے سے پھوڑوں میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔
- توری کی سبزی کھانے سے یہ قبض کو دور کر کے بواسیر کو ٹھیک کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔
- ایام رُک جانے کی صورت میں گھیا توری کے پتوں کا دو دو چمچ رس دن میں تین مرتبہ پینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

نوٹ: اس کو مسلسل استعمال کرتے رہنے سے کف اور ریاح بنتی ہے۔

// دھار توری //

دھار توری بھی بیل پر لگتی ہے اور انڈیا کے اکثر حصوں میں پائی جاتی ہے۔اس کی بیل گھیا توری کی بیل جیسی ہوتی ہے' لیکن یہ اس کی نسبت کچھ کم پھیلنے والی ہوتی ہے۔ دھار توری 5 سے 12 انچ تک لمبی ہوتی ہے' جو گچھوں میں الگ الگ ہوتی ہے۔یہ سبز رنگ کی ہوتی ہے اور اس کے بیرونی حصے پر دس ابھری ہوئی دھاریاں ہوتی ہیں' اسی وجہ سے اس کو دھار توری کہا جاتا ہے۔اس کے بیج آدھ انچ لمبے تہائی انچ تک چوڑے اور سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔

// دھار توری کے فوائد //

- دھار توری کی جڑ کو ارنڈ کے تیل میں پکا کر اسے گلٹی پر لگانے سے وہ بیٹھ جاتی ہے۔
- دھار توری کے پتوں کی لگدی بنا کر اسے خارش زدہ مقام پر لگانے سے فائدہ ہوتا ہے۔
- داد پر اس کے پتوں کو باندھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔
- اس کے پتوں کا رس آنکھوں میں ڈالنے سے گہانجنیاں میں بہت افاقہ ہوتا ہے۔
- دھار توری کی جڑ کو کاٹ کر دودھ یا پانی میں پیس کر چھان کر صبح تین دن تک روزانہ پینے سے پتھری ٹوٹ کر نکل جاتی ہے۔

// کڑوی توری //

جنگلوں میں خودرو پیدا ہونے والی توریاں کڑوی ہوتی ہیں۔کڑوی توری کی بیل کے تمام حصے بھی کڑوے ہوتے ہیں۔کڑوی توری میں کالوسنتھین اور لوفین نامی رقیق مادے ہوتے ہیں اور بیجوں میں ایک قسم کا نہ اڑنے والا تیل ہوتا ہے۔حقیقت میں سب سے زیادہ ادویاتی خوبیاں کڑوی توری میں ہوتی ہیں۔اس کا ساگ نہیں بنایا جاتا۔اس کو خاص طور پر معالجاتی طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔

// کڑوی توری کے فوائد //

- کڑوی توری جگر اور تلی کے امراض میں مفید ہے۔پیٹ کے اپھارے کو دور کرنے' کف کو باہر نکالنے' دمہ اور کھانسی کو آرام پہنچانے اور دل کے لیے مفید ہے۔مصفّیٰ خون ہونے کی وجہ سے بخار کو کم کرنے والی پیشاب آور' نظام بول اور جلد کے امراض مثلاً کوڑھ کو ختم کرنے والی' سوجن دور کرنے والی اور بواسیر میں مفید ہے۔
- کڑوی توری کے پتوں کو پیس کر اس میں شہد ملا کر چاٹنے سے اور کڑوی توری کے بیجوں کو پیس کر تیار کیا ہوا ٹھنڈا لیپ لگانے سے یا کڑوی توری کو تیل میں پکا کر اس تیل کا لیپ کرنے سے جلدی امراض دور ہو جاتے ہیں۔
- کڑوی توری کے ''ہم'': چھلکوں اور بیجوں سے عاری دو سوکھی کڑوی توری دو گھنٹے کے لیے 20 اونس ٹھنڈے پانی میں ڈالنے کے بعد چھان کر بنا ہوا رقیق مادّہ ''ہم'' کہلاتا ہے جو زخموں کو مندمل کرنے میں مفید ہے۔
- 250 گرام کڑوی توری کے بیجوں کا پاؤڈر 250 گرام پسی ہوئی سونٹھ' ایک لیٹر تل کا تیل اور چار لیٹر پانی ان سب کو ملا کر ہلکی آنچ پر پکائیں' جب ایک لیٹر پانی رہ جائے تو اسے چھان کر شیشی میں بھر لیں۔زخم کو دھونے کے بعد اس تیل کو لگانے سے زخم ٹھیک ہو جاتا ہے۔
- تتیّے یا بچھو وغیرہ کے کاٹے ہوئے مقام پر کڑوی توری کو پیس کر لگانے سے زہر دور ہو جاتا ہے۔ساتھ ہی کڑوی توری کا رس پینے سے قے اور دست کے ذریعے زہر بالکل خارج ہو جاتا ہے۔
- کڑوی توری کے پھول' بیج' جڑ' چھال اور پتوں کا 10-20 بوند عرق پانی میں ملا کر یا بیج سمیت توری کو پانی میں پکا کر کاڑھا بنا کر 15-15 گرام مقدار میں 15-20 روز تک پینے سے جگر اور تلی کے امراض میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔اگر جلندھر ہو جائے تو اس سوجن میں بھی افاقہ ہو جاتا ہے۔
- کڑوی توری کے بیجوں کی گری کو پانی میں پیس کر یا کڑوی توری کا گودا پیس چھان کر مریض کو پلانے سے کتے کے کاٹے سے پیدا ہونے والے زہر کا اثر نہیں رہتا۔
- کڑوی توری بلغم نکالتی ہے۔ایک کڑوی توری کو دودھ میں ابال کر مسل کر چھان لیجیے۔ایسا دودھ پیتے ہی الٹی ہو جاتی ہے اور سارا بلغم باہر نکل جاتا ہے' جس سے دمہ اور کھانسی میں آرام ہوتا ہے۔
- کڑوی توری کو ہلدی کے ساتھ پیس لیجیے۔اس طرح بنے ہوئے لیپ کو بواسیر کے مسوں پر لگاتے رہنے سے مسے گر جاتے ہیں۔
- کڑوی توری کی بیل کی جڑ کو گھس کر اس کا مسوں پر لیپ کرنے سے خونی بواسیر میں فائدہ ہوتا ہے۔اس مقصد کے لیے ٹھنڈا لیپ کرنا چاہیے۔

نوٹ: کڑوی توری کو قلیل مقدار میں استعمال کرنا چاہیے۔اگر زیادہ مقدار میں اسے استعمال کیا گیا تو الٹیاں اور دست آسکتے ہیں۔

6 Perfect-Pg24

محمد دانش

باپ کا بیٹی کے نام خط
خط نمبر 29

عظیم مائیں

میری سعادتمند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں

الحمدللہ ! اللہ رب العزت نے بیٹی کے بعد آپ کو ایک بیٹا عطا کیا۔ بیٹے کی پیدائش پر دلی مبارکباد قبول ہو۔ اب آپ پر دوہری ذمہ داریاں پڑ گئی ہیں۔ بیٹی کے ساتھ بیٹے پر بھی بھرپور توجہ اور تربیت کرنا ہوگی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جتنی بھی نامور شخصیات گزری ہیں ان کو بامِ عروج پر پہنچانے میں ان کی ماؤں کا بڑا کردار ہے۔ ماں کی گود سے پہلے ماں کی کوکھ میں ہی بچے پر اثرات پڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔

ماں کا رشتہ ہر دور میں مقدس اور محترم رہا ہے۔ تمام مائیں قابلِ احترام اور قابلِ ستائش ہیں، مگر ان ماؤں کی تعریف کا ٹھکانہ ہی کیا، جنھوں نے انبیا، مذہبی رہنما، صلحا، علما، مدبّر، سیاست دان، ڈاکٹر، انجینئر، طبیب اور اساتذہ پیدا کیے۔ ان ماؤں کا نام کس طرح بھلایا جاسکتا ہے، جنھوں نے عالمِ انسانیت کے لیے ایسے سپوت پیدا کیے، جو طوفانوں کا رُخ موڑ دینے والے، ظلم کا گلا گھونٹ دینے والے اور بے نواؤں کا سہارا بننے والے کہلائے۔ اگر ان تمام ماؤں کا ذکر کیا جائے تو بقول میکسم گورکی کے ''عمر خضر درکار ہوگی'' اور پھر بھی ماں کا تذکرہ تشنہ رہ جائے گا۔ بہر حال ! ان چند عظیم ماؤں کا تذکرہ ملاحظہ ہو، جنھوں نے اہم شخصیات کو جنم دیا۔

ابوالحسن علی ندویؒ کی والدہ : علی میاں کی کردار سازی میں ان کی والدہ کا زبردست ہاتھ تھا، انھوں نے علی میاں کے یتیم ہو جانے پر ان کو زیادہ متردّد ہونے نہیں دیا۔ ان کی خاطر مدارات میں رہیں اور عمدہ نصائح اور ہدایات کرتی رہیں، خاص طور سے نماز کی پابندی پر کڑی نگاہ رکھتی تھیں۔ اس عظیم ماں کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ماں نے کس جذبے اور خلوص سے اپنے جگر گوشے ابوالحسن علی ندویؒ کو مخاطب کر کے اس ڈگر پر لائیں، جس پر چل کر آج اس بچے نے امتِ مسلمہ کو اس شاہ راہ پر لا کھڑا کیا، جس سے یہ امت بھٹک رہی تھی۔

علی دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے۔ اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو انگریزی دانوں سے کیا امید؟؟؟ بجز عبدو اور طلحہ کے اور تیسری مثال نہیں پاؤ گے۔ وہ چیز حاصل کرنی چاہیے، جو نایاب ہو گئی ہے، جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں، سننے کے لیے کان مشتاق ہیں اور آرزو میں دل افسردہ ہے اور وہ اسلام کے بیان کردہ خوبیاں ہیں، جو آج نظر نہیں آتیں۔ افسوس ! ہم ایسے وقت میں ہوئے۔ علی میاں ! تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ ! اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو صرف ان شخصیات پر نظر رکھو، جنھوں نے علمِ دین حاصل کرنے میں عمر گزار دی۔ ان کے مرتبے کیا تھے؟ علی میاں ! میری اگر سو اولاد بھی ہوتیں تو میں یہی تعلیم دیتی۔ اب تم ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل مجھے دے اور سو کی خوبیاں تم اکیلے سے ہی حاصل ہوں اور میں دارین میں سرخ رُو اور نیک نام پاؤں اور صاحبِ اولاد کہلاؤں آمین !

حکیم محمد سعیدؒ کی والدہ : حکیم صاحب کی زندگی کا اگر قریب سے مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے دوست، مربّی ہم درد، غم گسار اور مجسّمِ انسانیت تھے۔ نہ وہ معترضین سے دست و گریباں ہوتے، نہ معترفین کی داد و تحسین کے خواہاں۔ اپنی دُھن میں اپنے کام میں مشغول چشمِ فیض بنے رہتے تھے۔ ذہن میں ایک سوال اُٹھتا ہے کہ یہ سب کچھ انھیں کس طرح حاصل ہوا اور کس کی آغوش تربیت نے انھیں اتنا عظیم انسان بنا دیا تو یک بارگی نگاہ اس شفیق ماں پر جا کر ٹھہرتی ہے، جو صرف اپنے نام کی مناسبت سے ہی رابعہ نہیں، بل کہ اپنے عہد کی مناسبت سے حقیقی رابعہ بصری تھیں، جن کے متعلق حکیم محمد سعیدؒ کے دو تاثرات قابلِ ذکر ہیں۔

(1) میں نے جب سے ہوش کی آنکھیں کھولیں، تب سے اپنی والدہ محترمہ کو نماز ترک کرتے نہیں دیکھا۔ صبح جب میں بیدار ہوتا تو جائے نماز پر ہوتیں اور رات کو جب میں سونے کے لیے لیٹتا تو وہ ہنوز جائے نماز پر ہوتی تھیں۔ نماز کی وہ خود بھی پابند تھیں اور مجھے بھی وہ نماز کا پابند رکھتی تھیں، ان کو خوش اور مطمئن رکھنے کی صورت صرف یہی تھی کہ ہم نماز اور روزے کے پابند ہوں۔

(2) اُن کی ہدایت تھی اور وہ سختی سے اس پر عمل کراتی تھیں کہ صبح جب آنکھ کھلے ''لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ'' کلمہ زبان سے ادا ہونا چاہیے۔ حکیم محمد سعیدؒ کی والدہ کا تعلیم کے بارے میں ایک معین اصول تھا اور اس اصول سے انھوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کے بارے میں کوئی انحراف نہیں کیا۔ ان کی یہ قطعی رائے تھی اور اس پر انھوں نے سختی سے عمل کیا کہ مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم قرآن اور صرف قرآن ہونی چاہیے۔ قرآن کے بعد ہی کسی دوسری کتاب کو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کا ہر فرد حافظِ قرآن تھا۔

نوٹ : بقیہ انشاء اللہ آئندہ خط میں تحریر کروں گا۔

دعا گو
آپ کے ابو

شام کے آنسو

قسط نمبر 1

بنت محمود رحیم

''اُختی ! مجھے کہیں چھپا دیں جلدی سے ۔'' ننھا حمزہ بھاگتا ہوا عائشہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہوا ہے؟ کیوں بھاگ رہے ہو؟ حالت دیکھی ہے اپنی؟'' عائشہ گھبرا گئی۔

''وہ' وہ اُختی! عمر بھیا آرہے ہیں۔ آپ چھپا دیں ناں جلدی سے۔'' وہ اپنی پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولا۔

''ضرور تم نے کوئی شرارت کی ہوگی۔'' عائشہ نے خفگی سے اپنے آٹھ سالہ بھائی کو دیکھا۔

''حمزہ کے بچے! میری کتاب واپس دو ' ورنہ...'' عمر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے حمزہ کو تنبیہ کی' جو عائشہ کے پیچھے چھپ چکا تھا۔

''میرے پاس نہیں ہے۔''

''گندے لڑکے! ایک تو کتاب چھپائی اور اوپر سے جھوٹ''

عائشہ نے حمزہ کو کان سے پکڑ کر آگے کیا''ایذائے مسلم کیا ہے؟''

''حرام...''حمزہ نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ بولنے کی کیا سزا ہوتی ہے؟'' عائشہ نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے دریافت کیا اور یہ اس کا آخری وار تھا۔

''عمر بھیا! اٹھالیں۔ میرے بیگ میں کتاب رکھی ہے۔'' آخر اس حمزہ نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

''اب تو میں اللہ کے نزدیک جھوٹا نہیں لکھا جاؤں گا ناں؟'' حمزہ نے عائشہ کے گلے میں جھولتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں۔'' عائشہ نے اس کے پیار سے بال سہلائے۔

''اُمّی ! ابّی کہاں ہیں؟ آج بھی وہ دیر سے آئیں گے؟'' رات کے وقت کھانے کے بعد حمزہ اپنی والدہ کے کمبل میں گھسا ہوا تھا۔

''آنے ہی والے ہوں گے۔'' امی نے کتاب پڑھتے ہوئے جواب دیا۔

حمزہ غور سے اپنی امی کی طرف دیکھنے لگا' جن کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آرہی تھی۔ ''اُمّی! آپ پریشان کیوں ہیں؟'' اس نے ننھے ہاتھوں سے ماں کے چہرے کو اپنی طرف پھیرا۔ ''کچھ نہیں بیٹا۔''

''مجھے معلوم ہے امی آپ کیوں پریشان ہیں۔'' 11 سالہ عمر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں...؟'' حمزہ پوری طرح عمر کی طرف مُڑ گیا۔

"کیوں کہ ہمیں بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا۔" امی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

"بیٹا! آپ کو یہ باتیں کس نے کہی ہیں۔"

"اُمّی! سعد بتا رہا تھا کہ اس کے چاچو کے محلے میں کچھ لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ اس کے چاچو لوگ ترکی کی طرف جان بچا کر چلے گئے ہیں۔ ہم تو نہیں جائیں گے ناں اُمّی؟؟ ہمیں تو وہ لوگ کچھ نہیں کہیں گے ناں؟؟ ہم نے تو اُن کو نہیں مارا ناں؟؟"

امی نے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو ہاتھوں سے صاف کیا اور دھیرے سے سَر نفی میں ہلایا: "نہیں بیٹا! ایسا کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ!"

"اُمّی آپ دیکھیے گا' اگر انھوں نے ہمارے گھر کو ہاتھ لگانے کی بھی کوشش کی تو میں ان کو اپنی تلوار اور پستول سے مار دوں گا۔" ننھے حمزہ نے جوش سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ وہ عمر کے برعکس تھا' نڈر' بہادر اور پرجوش۔ اُمی ہنس پڑیں۔

"ہاں! میرا بیٹا بڑے ہو کر اپنے ملک کی حفاظت کرے گا۔" اُمی نے اس کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ "اور میں بھی..." عمر چلّایا۔

"ہوں... ایک پٹاخے سے تو ڈر جاتے ہیں۔" حمزہ نے اپنی ناک سکوڑی۔

"حمزہ...!!" امی نے اس کو خفگی سے گھورا اور دونوں بیٹوں کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آپ نے تیاری مکمل کر لی ہے؟" عبدالرحمٰن صاحب نے بریف کیس بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "جی!" فاطمہ بیگم جی کہہ کر چپ ہو گئیں۔

"اور بچوں کو بھی ذہنی طور پر تیار کر دیا ہے ناں؟"

"جی" فاطمہ بیگم نے افسردگی سے جواب دیا' پھر توقف کے بعد بولیں "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم نہ جائیں؟ اپنے ملک کو کون چھوڑتا ہے بھلا؟ یہ دھرتی تو ہماری ماں ہے۔ یہ تو انبیا کی سرزمین ہے۔ یہ تو سب سے اچھا ملک ہے۔ اس کو کس کی نظر لگ گئی؟ کوئی انھیں سمجھاتا کیوں نہیں جو ہمارے ملک کو میلی نظر سے دیکھ رہے ہیں؟ سارے مسلمان کہاں گئے ہیں؟ ہمیں تنہا کیوں کر رکھا ہے انھوں نے؟ کیا سارے مسلمان ایک جسم کی مانند نہیں ہیں؟ ہمیں بے کار عضو کی طرح اپنے سے الگ کیوں کر دیا ہے؟؟" فاطمہ بیگم بِلک بِلک کر رو رہی تھیں۔

عبدالرحمٰن صاحب اَپنے لَب بھینچے کھڑے تھے۔ ان کے پاس ان سوالوں کا جواب نہ تھا: "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اور آپ کی سب باتیں درست ہیں' لیکن بہر حال ہمیں یہ ملک چھوڑنا ہے۔ ہمارے قریبی علاقوں میں بمباری شروع ہو چکی ہے' کسی بھی وقت ہمارا علاقہ لپیٹ میں آسکتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔ کل ہم اپنے گروپ کے ساتھ ترکی چلے جائیں گے" دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے لحظہ بھر کو رکے پھر بولے "ہم واپس آئیں گے انشاء اللہ۔ یہ ہماری زمین ہے۔ ہمارا ملک ہے۔ اِسے ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" ان کے لہجے میں یقین تھا۔

"فاطمہ جلدی اٹھو..." عبدالرحمٰن نے ان کو جھنجھوڑا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"کیا ہوا ہے؟"

"حملہ ہو چکا ہے۔ جلدی سے گھر سے نکلو کسی بھی وقت' یہ گھر بھی دوسرے گھروں کی طرح آگ کی لپیٹ میں ہوگا۔" عبدالرحمٰن بے بسی سے بولے تو فاطمہ بیگم فوراً بیڈ سے اتریں اور باہر بچوں کی طرف بھاگیں' عبدالرحمٰن بھی پیچھے لپکے۔

"عائشہ اٹھو! جلدی کرو..." فاطمہ بیگم نے اس کے اوپر سے کمبل اتار پھینکا۔

"جی امی! خیریت تو ہے۔" وہ بوکھلائے ہوئے اپنا دوپٹہ سمیٹنے لگی۔

"جلدی نکلو... پیچھے والے دروازے سے' یہاں سے نکلو جلدی کرو... گارڈن کی طرف بھاگو جلدی..." وہ روتے ہوئے اسے اٹھا رہی تھیں۔ اس وقت تک عبدالرحمٰن حمزہ کو گود میں اٹھائے ہوئے آئے اور عمر نے اپنے ابی کی انگلی پکڑی ہوئی تھی اور آنکھیں اس کی بند تھیں۔ وہ سب گارڈن کی طرف بھاگے۔ عائشہ نے عمر کا ہاتھ تھام لیا تھا اور پھر ایک دھماکہ ہوا اور سب کچھ اندھیرے میں ڈوب گیا...

عائشہ کی آنکھ کسی کے سسکنے سے کھلی۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھی اور اَدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کے حواس ابھی کام نہیں کر رہے تھے۔ اس کو کافی وقت لگا یہ سمجھنے میں کہ ابھی وہ کہاں ہے۔ ذہن دھیرے دھیرے گذشتہ رات کے بارے میں سوچنے لگا۔ دھماکہ ہوا تھا اور پھر امی نے مجھے دھکا دے دیا تھا اور؟؟ اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور ذہن پر زور دینے لگی۔ اچانک کسی نے اس کا ہاتھ ہلایا۔

"اُختی!" اس نے ایک دم آنکھیں کھولیں۔ سامنے عمر کھڑا تھا۔ اس کا حلیہ؟ ہاں وہ اس کو فوراً نہ پہچان پائی تھی۔ اس کے سارے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔ چہرے اور ہاتھوں پر مٹی لگ چکی تھی اور جگہ جگہ خراشیں لگی ہوئی تھیں' وہ سسکنے کی آواز اس کی تھی۔ "عمر!" اس نے جلدی سے عمر کو اپنی طرف کھینچا۔

(جاری ہے)

بقیہ کہانی گر

کسی نے میرا قلم چرا لیا ہے۔ اب میں کچھ نہیں لکھ سکتا' چاہ کر بھی تم لوگوں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔" کہانی گر رو رہا تھا۔ بچوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بھاگ کر باہر نکل گئے۔ کہانی گر نے نم آنکھوں سے انھیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا دل درد کی شدت سے پھٹنے والا تھا۔ آج وہ کتنا مجبور اور بے بس تھا۔ ٹھیک کہا تھا بستی کی بوڑھی عورتوں نے کہ دوپہر کو کہانی سنانے سے مسافر راستہ بھول جاتے ہیں۔ مسافر تو نہیں' ہاں مگر وہ ضرور اپنا راستہ بھول گیا تھا۔

اسی وقت بھاگتے' دوڑتے قدموں کی آوازیں قریب آکر رک گئیں۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ بچے چہرے پر کچھ پا لینے کی خوشی اور جوش لئے اس کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"یہ دیکھیں! ہم آپ کے لئے کیا لائے ہیں۔" بچوں نے اپنے ہاتھ آگے کئے تھے۔

"مور کے بہت سارے پرَ اور درخت کی لکڑی سے بنے کچھ قلم۔۔!"

کہانی گر نے حیرت سے اُن کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی سوچ نے یہاں تک کا سفر کیوں نہیں کیا تھا جبکہ وہ زندگی اور امید کا دعویٰ کرتا تھا مگر جب وقت کا اس کی ضرورت پڑی تو وہ خوف سے ہار کر' نا امید ہو کر' ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ بس کہانی لکھیں' ہمارے لئے' سب بچوں کے لئے!

وہ بچے جو سرخ آندھی کا شکار ہو کر آج تک اپنے گھروں کو واپس نہیں پہنچے' وہ بچے جو تھر اور چولستان کے صحراؤں میں بھوک اور پیاس کی شدت سے بلبلاتے ہوئے مر رہے ہیں۔ ہمیں ہر وہ شخص چاہیے جو زندگی میں امید کو اپنے فن سے زندہ رکھ سکتا ہے کیونکہ یہ دورِ آشوب ہے اور اس دور میں زندگی کی بات کرنے والا ہی راہبر ہے۔"

بچوں نے امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

کچھ دیر کے بعد' اس بستی کے لوگوں نے کہانی گر کو بے خوف وخطر' اونچے نیچے' رستوں پر چلتے' زندگی کے رنگ فضا میں بکھیرتے' حیرت سے دیکھا تھا۔ سچ ہے کہ امید معجزوں کا دروازہ ہے اور موت کے بطن سے زندگی کا پیدا ہونا' انسانیت کے منکروں کے لیے معجزہ ہی تو ہے۔

کہانی گر

قرۃ العین ہاشمی

وہ بستی کہانی گروں کی تھی
۔۔۔! رنگ رنگ کی کہانیاں ہوا
کے دوش پر بہت دور دور تک پھیل جاتی تھیں
مگر بہت عجیب سی بات تھی، ان دلفریب رنگوں
سے بنی کہانیوں میں زندگی کی خوبصورتی، زندگی
کی کوئی امید نہیں تھی، روشنی کی کوئی لکیر نہیں
تھی۔ وہ کہانیاں تھیں تیری میری خواہشوں
کے ہجوم کی، ہوس کے ایسے جال کی، جو زندگی کی

سانسوں کو گروی بنا کر رکھ لیتے اور بھرنے والے ساری زندگی اس کا تاوان بڑھتے رہتے! بس وہ ایسے ہی رنگوں کی دھنک تھی جو وقتی طور پر نظروں کو بھلی لگتی تھی۔ اُن کہانی گروں میں ایک کہانی گر ایسا بھی تھا، جو زندگی کی بات کرتا تھا۔ اس کے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ زندگی، امید اور روشنی سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی کہانیوں کے سب رنگ بہت گہرے اور پکے تھے۔ اس لیے کیوں کہ

اسے زندگی سے محبت تھی۔۔! اسے رنگوں سے محبت تھی۔۔!

اسے روشنی سے محبت تھی۔۔!

اسے بچوں سے محبت تھی، جو اس روشنی کی نوید تھے۔ آنے والے روشن کل کی۔!!

بستی کے سب بچے اس کی کہانیوں کے دیوانے تھے۔ اسے سننا پسند کرتے تھے۔ اکثر کسی پگڈنڈی پر چلتے، کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر، یا برگد کے گھنے سایہ دار درخت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے، گرم دوپہروں سے بے پرواہ، وہ اس کہانی گر کے گرد گھیرا ڈال لیتے اور اس سے نت نئی کہانیوں کی فرمائش کرتے تھے۔

کہانی گر نے کبھی بھی ان کو منع نہیں کیا تھا، وہ اس کے فن کے قدر دان تھے۔ اس کا فن، اپنی موت آپ مر جاتا اگر اسے کوئی سننے یا سراہنے والا نہ ملتا۔ وہ اپنے فن کی وجہ سے اس حبس زدہ دنیا میں سانس لیتا تھا۔ یہ اس کی ذات کا روزن تھا اور کوئی بھی اپنے روزن کو اپنے ہی ہاتھوں سے کیسے بند کر سکتا تھا۔

"دوپہر کو کہانی نہیں سناتے، مسافر راستہ بھول جاتا ہے!" گاؤں کی بوڑھیاں اکثر اعتراض کرتی تھیں۔

"یہ پرانے وقتوں کی باتیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری کہانی سن کر کوئی گھر کو لوٹ آئے!" کہانی گر بہت اطمینان سے جواب دیتا تھا۔ وہ تنقید سے گھبراتا نہیں تھا۔ وہ منطق اور دلائل سے بات کرنا جانتا تھا۔ وہ امید کے سب رنگوں سے واقف تھا۔ وہ اسی طرح اپنے قلم سے زندگی اور رنگوں کی کہانیاں لکھ رہا تھا کہ ایک روشن صبح، بچوں کی تعلیم گاہ میں سرخ رنگ سے ہر چیز کو بے دردی اور سفاکی سے رنگ دیا گیا۔ بے حسی کی انتہا یہ تھی کہ وہ سرخ، گرم گرم بہتا سیال، ان معصوم بچوں کا خون ہی تھا۔ جس سے انسانیت کے منکروں نے خون کی ہولی کھیلی تھی۔ خون بھی ایسا جو اتنا بہا، پھر رکا نہیں۔۔! رک بھی کیسے سکتا تھا؟ وہ خون تو سدا اپنے ہی وجود سے بہتے رہنا تھا۔ صدیوں کے ماتھے پر لکھا جا چکا تھا۔ اتنی سفاکی پہلے کب، کس صدی نے دیکھی تھی، جو اس بستی کے لوگوں کا مقدر بنی تھی۔

کہانی گر، نے سرخ آندھی کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہانی گر کہاں ہے اور کیوں گم ہے؟ سب اپنے غم میں گھرے اسے بھول چکے تھے۔ ساری بستی میں اندھیرے کا راج بڑھتا جا رہا تھا۔ امید کی اور زندگی کی بات کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ دوسرے کہانی گر اپنا کاروبار چمکا رہے تھے۔ وہ اس دکھ کو بھی اپنی مرضی کا رنگ دے رہے تھے۔ وہ کہانی گر مزید یاسیت کا شکار ہو کر مایوسی کے گھپ اندھیر میں کھو گیا۔

اسی دھوپ چھاؤں میں منظر پر منظر بدلتے رہے۔ جب کہانی گر کی خاموش دہلیز پر کچھ ننھے قدموں کی چاپ نے دستک دی تھی۔

"کون ہے؟ چلے جاؤ یہاں سے! میں اب کسی سے نہیں ملتا۔۔۔!" کہانی گر خوف سے چلایا تھا مگر آنے والے ہر ڈر اور خوف کو شکست دینے ہی آئے تھے۔ وہ اس بستی کے بچے تھے، جن پر سرخ آندھی مسلط کر دی گئی تھی۔ وہ اپنا حق لینا جانتے تھے۔

"ہمیں آپ کی ضرورت ہے! ہمیں زندگی کے وہ رنگ چاہیے جو آپ کے قلم میں سانس لیتے ہیں۔" ان بچوں نے یقین سے کہا تھا۔

"میں مجبور ہوں میرے پاس تمہارے لئے اب کچھ نہیں ہے۔" کہانی گر نے افسردگی سے کہا تھا۔ "آپ کوشش تو کریں۔ آپ کے قلم میں وہ جادو ہے!" بچے باضد تھے۔

"تم مانتے کیوں نہیں ہو؟ اگر میری بات کا یقین نہیں ہے تو آؤ، آ کر خود ہی دیکھ لو۔" کہانی گر نے اپنا قلم اٹھایا اور سفید کاغذ پر لکھنے لگا۔ سارا کاغذ سرخ رنگ سے بھر گیا۔ کہانی گر نے گھبرا کر قلم دور پھینک دیا۔

"دیکھا تم نے! یہ قلم خون کی سیاہی سے لکھتا ہے۔ (بقیہ ص 27 پر)

7
Al Ghaffar

Pg28

عبرت کا نشان

کائنات غزل

’’او...او...‘‘ وہ بوڑھا آدمی وہیل چیئر پہ بیٹھا آوازیں نکال رہا تھا۔ مکھیاں اس پر بیٹھ کر بھنبھنا رہی تھیں، لیکن معذوری کی وجہ سے وہ ہاتھ ہلانے سے قاصر تھا۔ یہ بوڑھا شخص، اس کی گردن ایک جانب کو لڑھک رہی ہوتی تو کبھی ٹیک کور میں ہوتی، اس کی صرف آنکھیں ہلتی تھیں۔

بڑے بڑے بال، عجیب سا وحشت زدہ حلیہ ہوتا۔ کچھ شرارتی لڑکے اسے آتے جاتے پتھر مارتے۔ وہ کراہ بھی نہ سکتا تھا۔

اس کی ناک ٹیڑھی تھی، لیکن ایک بات عجیب تھی، جب بھی کوئی بائیک تیزی سے گزرتی وہ زور سے ’’اُو... اُو‘‘ کی آوازیں نکالتا، پھر اس کے آنسو بہنے لگتے اور جب تک آنسو خشک نہ ہو جاتے، وہ روتا رہتا۔ کبھی کبھی اس کی آنکھوں سے خون رستا۔ بچے اس سے ڈرتے بھی تھے۔ وہ کمرے کی بیٹھک کے دروازے میں بیٹھا رہتا۔ رات بھی شاید وہ وہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدمی جس کا کان کٹا ہوا تھا وہ آتا، اسے صاف کرتا، اس کے ہاتھ پکڑ کر روتا، پھر چلا جاتا۔ ایک دن لوگوں نے اسے کچھ لکھتے دیکھا۔ تین یا چار دن وہ لکھتا رہا۔ پھر ایک دِن وہی آدمی جو اس سے ملنے آتا تھا، اسے ملنے آیا اور اس سے سارے کاغذ لے کر چلا گیا۔

کافی دن گزر گئے تھے، وہ بوڑھا مر چکا تھا۔ پھر ایک دِن اخبار میں اس بوڑھے کی تصویر کے ساتھ، اس کے دوست کی تصویر اور تین بچوں کی تصویریں تھیں اور ایک ایسی کہانی درج تھی، جو پڑھ کر بھی نشانِ عبرت نہ پکڑے تو وہ انسان کیسے کہلائے۔ کہانی کچھ یوں تھی:

’’میرا نام عمیر ہے۔ میں ساتویں جماعت کا طالب علم ہوں۔ ہاں... میں آج تک ساتویں جماعت کا ہی طالب علم ہوں، کیوں کہ میں نے اُس کے آگے پڑھا ہی نہیں۔ میری ماں نے مجھے بہت لاڈ سے پالا۔ جب میں پیدا ہوا تھا تو میری دادی نے کئی کلو مٹھائی پورے محلے میں بٹوائی۔ میرے باپ نے مجھے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ میں بہت ذہین طالبِ علم تھا۔ جب میں پہلی کلاس میں پہلی بار فرسٹ آیا تو میرے باپ نے مجھے موبائل گفٹ کیا، حالاں کہ میں اس وقت صرف پانچ سال کا تھا۔ میرے باپ کی مجھ سے محبت... لیکن میں دوسری جماعت میں فرسٹ نہ آسکا بل کہ میرا دوست اسد فرسٹ آیا۔ اسی طرح ہماری کلاس میں ساتویں جماعت تک کبھی میں، کبھی اسد اور کبھی عبید... ہم تینوں دوست آگے پیچھے پوزیشن لیتے۔

ہم میں بہت دوستی تھی۔ کبھی ہم تینوں سی ویو جاتے تو کبھی برگر پارٹی کرتے۔ ہماری زندگی بہت رنگین تھی۔ ہم لوگ پورے علاقے میں فُل اسپیڈ سے بائیک دوڑاتے پھرتے۔ ہلکا پھلکا جھوٹ بھی بول لیا کرتے تھے۔ ایک دن ہم اپنی اسکول پرنسپل سے جھوٹ بول کر اسکول سے نکل آئے۔ اس وقت میری عمر فقط تیرہ برس تھی۔ ہم لوگ پوری کالونی میں بائیک دوڑانے لگے۔ کچھ لڑکے ہمیں حسرت سے دیکھتے اور کچھ غصے سے۔ خیر ہم نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ اُس وقت اسد بائیک چلا رہا تھا، اس کے پیچھے عبید اور سب سے پیچھے میں بیٹھا تھا۔ اسد کے کانوں میں ہینڈ فری لگا ہوا تھا اور وہ اپنے پسندیدہ گانے سننے میں مشغول تھا، بائیک فُل اسپیڈ سے دوڑ رہی تھی۔ اچانک ایک اسپیڈ بریکر سامنے آگیا۔ اسد نے نہایت مہارت سے اسپیڈ بریکر تو کراس کر لیا، لیکن پھر اس سے بائیک نہ سنبھلی۔ میں اڑتا ہوا دور کھمبے سے جا ٹکرایا، میرے سارے جسم میں جیسے کسی نے ہنٹر مار دیے ہوں۔ میرے سر، ناک اور جسم کے کئی حصوں سے جیسے خون کے فوارے ابل پڑے۔ درد اور تکلیف کی شدت میں مجھے اسد اور عبید کا خیال آیا۔ میں نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو

بمشکل کھولا تو اسد اپنے ہی خون میں نہایا پڑا تھا تو دوسری طرف عبید اُلٹا پڑا تھا۔

یہ چند لمحوں کی کہانی تھی ‘پھر میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ کئی آدمی مجھے اٹھا کر بھاگے۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ اسد اور عبید کو بھی اٹھاؤ‘ لیکن کہہ نہ سکا‘ پھر مجھے محسوس ہوا کہ لوگ عبید اور اسد کو بھی اٹھا کر بھاگ رہے ہیں۔ قریبی ہسپتال والوں نے عبید کو ایڈمِٹ کر لیا اور مجھے اور اسد کو واپس کر دیا۔ میں بند آنکھوں اور سُن ہوتے دماغ کے ساتھ گڈ مڈ آوازیں سن رہا تھا۔ شاید میری ماں بھی پہنچ چکی تھی اور اسد اور عبید کے گھر والے بھی۔ ہمیں الگ الگ ایمبولینس میں ڈالا گیا اور جناح ہسپتال لے گئے ‘وہاں پر اسد کو ایڈمٹ کر لیا اور مجھے واپس کر دیا۔

مجھے بہت درد تھا‘ مگر میں کراہ نہیں سکتا تھا۔ ایمبولینس میں مجھے اور دور ہسپتال لے گئے ‘انھوں نے بھی مجھے واپس کر دیا۔ میری ماں چیخ چیخ کر ہسپتال والوں کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی ‘لیکن کوئی مجھ پر ہاتھ نہیں رکھ رہا تھا۔ آخر میں ایک ڈاکٹر نے آغا خان کا مشورہ دیا۔ میری ماں کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی۔ میرے چچا ‘ماموں اور سب رشتہ داروں کو آغا خان بلایا۔ وہاں مجھے ڈاکٹر اسٹریچر پر لے کر بھاگے۔ نہ جانے کتنا وقت بیتا ‘میں خود کو محسوس بھی نہ کر سکتا تھا۔ میرے حواس ہلکے ہلکے بیدار ہونے لگے۔ مجھے آوازیں پھر سے محسوس ہونے لگیں:

”دو دن ہو گئے ہیں بچے کو ہوش نہیں آرہا۔ اس کی پسلیاں بری طرح زخمی ہو گئی ہیں۔ گردن اور ناک کی ہڈی بھی ٹوٹ چکی ہے ‘اگر آج بھی اسے ہوش نہ آیا تو شاید یہ بھی کومے میں چلا جائے اور ایک بات اور...“ ڈاکٹر کہتے کہتے رکے۔

”جب یہ ہوش میں آئے تو اِن کو اِن کے دوست کی وفات کا بالکل بھی نہ بتایا جائے۔“

مجھے ایسا لگا جیسے میرے اوپر بم باری ہو گئی۔ میرا جگر ‘میرا دوست شاید عبید...؟ مگر عبید کی حالت سیریس نہیں تھی ‘تو کیا اسد...؟ ڈراؤنے سوال منہ پھاڑے میرے سامنے کھڑے تھے۔ ”نہیں... نہیں ‘میرے اللہ! میرے دوست ‘میرے بھائی اسد کو واپس کر دے ‘مجھ سے نہ چھین۔“ میرے جسم میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔

”بچے کو ہوش آرہا ہے ‘دیکھیں...“ ایک نرس کی آواز مجھے قریب سے آئی۔

”عمیر... عمیر میری جان۔“ میری دادی کی آواز آئی۔

میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی ‘جو بہت بھاری ہو رہی تھیں۔ یک دم مجھے دادی کا چہرہ دھندلا دھندلا نظر آنے لگا ‘لیکن میرا درد... آہ! مجھے درد صرف اپنا تو نہ تھا۔ میرا جگر بھی مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میرے دو آنسو نکل کر بہہ گئے۔ وہ دن اور آج کا دن میرے آنسو نہ رکے۔

”سِسٹر اسے درد ہو رہا ہے۔ آپ اسے پین کِلر لگا دیں پلیز...“ مجھے میری ماں کی آواز آئی۔ کب انجکشن لگا ‘مجھے تو پتا ہی نہ چلا۔ میں جو انجکشن دیکھ کر پورا ہسپتال سر پر اُٹھا لیتا تھا ‘مجھے تو ہلکی سی چبھن بھی نہ ہوئی۔ مزید چار دن اسی طرح گزر گئے۔ نہ میں بول سکتا تھا اور اگر بولنے کی کوشش بھی کرتا تو مجھے تکلیف ہوتی۔ میں نے بولنا ہی چھوڑ دیا۔ میرے خاندان والے پانی کی طرح مجھ پر پیسا بہا رہے تھے ‘لیکن کب تک... سب کی جمع پونجی مجھ جیسے نالائق انسان پر خرچ ہو گئی۔ میں شرمندہ تھا۔

میں نے بہت توبہ کی رب سے کہ آئندہ میں تیز بائیک نہ چلاؤں گا اور نہ ہی اپنے دوستوں کو چلانے دوں گا ‘لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وقت اب میرے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ اب میں بائیک پر کیا ‘کرسی پر بھی بیٹھنے کے قابل نہ رہا ‘میرے دوست آغا خان آئے اور میری جیب میں چیک بک ڈال دی۔ میں منع کرنا چاہتا تھا کہ مت ڈالو ‘مت ڈالو میں مقامِ عبرت ہوں۔ مجھے تو بہتر سے بہترین انداز میں پوز بنوا کر تصویریں کھنچوانے کا شوق تھا۔ یہ تصویریں کھنچوانے کا گناہ مجھے اس مقام تک لے آیا کہ میرا چہرہ اب کسی کو دِکھانے کے قابل ہی نہ رہا۔ ایک ہفتے بعد مجھے دوسرے ہسپتال میں لے آئے۔ میری کمر میں راڈ ڈل چکی تھی۔ گردن کا آپریشن کر کے ٹیک کَور لگا دیا گیا تھا۔ آخر مجھے گھر لے آئے۔

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ میری ماں نے اپنا سارا زیور بیچ کر ہسپتال کا بِل ادا کیا۔ میری خالہ نے جتنے پیسے ان کے پاس تھے سب دے دیے ‘اپنا جہیز کا سیٹ بیچ دیا۔ بیس لاکھ کا خرچہ صرف آغا خان میں آیا تھا۔ میرے ماموں نے اپنی زمین بیچ کر میری ماں کو رقم دی۔ آہ... میں کتنوں کا قرض چکاتا۔ میں بے جان جسم کے ساتھ تھا۔ میری ماں مجھے دیکھ دیکھ آنسو بہاتی رہتی۔ میں کسی سے نظر ملانے کے قابل نہ رہا۔ میری دادی میرے پاس بیٹھی سر پہ ہاتھ پھیرتی رہتیں ‘میری صحت کے لیے ہر ہفتے گھر میں ختم کرائے جاتے۔ مسجدوں میں دعائیں کرائی جاتیں۔ میری ماں! میرا غم لے کر بستر پر پڑ گئی۔ میرا چھوٹا بھائی! اسے بھی ماں کی توجہ نہ ملتی۔ آخر کار میری ماں نے میرے غم میں بستر چھور کر مٹی کی چادر اوڑھ لی۔ میری دادی بھی کچھ سال زندہ رہیں۔ میں صرف اور صرف جوس پر تھا۔ میرے دانت ٹوٹ چکے تھے۔ نقلی دانت بھی نہ لگ سکتے تھے۔ جوس بھی مجھے صرف اتنی مقدار میں دیا جاتا ‘جس سے مجھے حاجت نہ ہو۔ میں نے اسی اذیت میں بارہ سال گزارے۔

عبید باقاعدگی سے میرے پاس آتا۔ دو چار سال مزید گزرے۔ میرے چھوٹے بھائی کے ولیمے کے دن میرے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصے میرے بھائی نے میری خدمت کی۔ آخر کب تک وہ میرا بوجھ اٹھاتا۔ اس نے اپنی بیوی کے مشورے سے مجھے بیٹھک والے کمرے میں شِفٹ کر دیا۔ وہاں سے میں باہر کے لوگوں کو دیکھتا رہتا۔ میں آج باون سال کا ہو گیا ہوں۔ اڑتّیس سال سے اسی اذیت میں مبتلا ہوں ‘جب بھی کوئی بائیک تیزی سے گزرتی ہے تو اڑتّیس سال پہلے کا منظر آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ میں انھیں روکنا چاہتا ہوں ‘پر وہ نہیں رُکتے۔ کوئی بچہ میرے سامنے اسٹائل سے تصویریں کھنچواتا ہے تو میں چیخ پڑتا ہوں ‘لیکن اب مجھ سے بولا ہی نہیں جاتا صرف ”اُو... اُو“ کی آوازیں نکلتیں ہیں۔ میں انھیں روکنا چاہتا ہوں ‘کیوں کہ میں بھی اپنے وقت کا ہیرو تھا ‘مگر اب بچے مجھے پاگل سمجھ کر پتھر مارتے ہیں۔ کوئی گانے سنتا تو میں اسے عبید کا حال بتانا چاہتا کہ اس کے کان کٹ گئے ‘لیکن میں نہیں کہہ سکتا تھا۔ جب میں بے بس ہو جاتا ‘تب میرے آنسو نکل آتے ‘ مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ کس طرح میں انھیں اپنا دُکھ سناؤں۔

پھر ایک دن اللہ نے میرے دماغ میں ڈالا کہ میں اللہ سے اپنی زبان کھلنے یا ہاتھ چلنے کی دعا کروں۔ کئی عرصے میں نے اللہ سے دعا مانگی ‘زبان تو نہ کھلی لیکن ہاتھ چل گیا۔ میں نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے عبید سے قلم اور کاغذ منگوائے۔ اس کا بڑا بیٹا اخبار میں کام کرتا ہے۔ میں نے بڑی مشکلوں اور اذیتوں سے یہ اپنی ساری کہانی لکھ ڈالی ہے۔ اب عبید کہہ کر گیا ہے کہ وہ کہانی بہت سارے اخباروں میں لگوائے گا ‘تاکہ آئندہ آنے والی نسل کچھ عبرت حاصل کرے۔ بس! اب میں بہت تھک چکا ہوں ‘لیکن یہ سب لکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے کئی عمیر ‘اسد اور عبید کی زندگی تباہ ہونے سے بچا لی ہے۔ میں اب خود کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔ شاید اب موت ‘جو کئی برس سے مجھے نہیں آرہی ‘آسانی سے آجائے۔

ضمیر کا بوجھ

آسیہ عمران

نوجوان غصے کی حالت میں کمرۂ عدالت سے باہر آتا ہے اور تیزی سے ایک سمت چل دیتا ہے۔اس کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پا رہا۔اسی کیفیت میں اسے یہ بھی محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی بہت دیر سے اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ایک جگہ درختوں کا جھنڈ دیکھ کر جیسے زمین پر ڈھے سے جاتا ہے۔پیچھا کرنے والا شخص اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔اسے سہارا دے کر اٹھاتا ہے اور اپنی مشک سے پانی پلاتا ہے۔

''آؤ بیٹا! اس جھنڈ کے سائے میں بیٹھتے ہیں۔'' پیچھا کرنے والا شخص سُرخ خضاب سے رنگی داڑھی والا بزرگ ہے۔وہ اسے درختوں کے جھنڈ میں لا کر لِٹا دیتا ہے۔

نوجوان، بزرگ کو دیکھ کر بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہتا ہے: ''آپ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں الحمد للہ! مسلمان ہوں اور اسلام کے رشتے سے آپ کا وہ دکھ بانٹنا چاہتا ہوں جو آپ کو نڈھال کیے ہوئے ہیں۔'' بزرگ نے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ہمدردی پا کر نوجوان کے آنسو متواتر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔بزرگ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ بزرگ گہری سانس لے کر اُس نوجوان کو ایک کہانی سنانا شروع کرتا ہے اور وہ نوجوان خاموشی اور انہماک سے اسے سنتا جا رہا تھا۔

بیٹا! عدالت میں امیر المؤمنین علیؑ ایک شخص کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔وہاں موجود قاضی امیر المؤمنین کو دیکھ کر اٹھنے لگتا ہے۔وہ اسے تعظیم دینے سے روکتے ہیں کہ وہ اس وقت فریق کی حیثیت میں آئے ہیں۔

''جناب! میں ایک مقدمہ کے سلسلے میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔'' وہ قاضی کے نشست پر بیٹھ جانے کے بعد اپنا دعویٰ بیان کرنا شروع کرتے ہیں۔

''جناب! کچھ عرصے پہلے میری زرّہ کھو گئی تھی۔وہ آج میں نے اس یہودی کے پاس دیکھی ہے، لیکن یہ مجھے وہ زرّہ دینے پر آمادہ نہیں۔''

قاضی یہودی کی طرف استفہامیہ انداز سے متوجہ ہوتے ہیں، وہ کہتا ہے: ''جناب! یہ زرّہ میری ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ اس وقت میرے پاس ہے۔''

قاضی زرّہ ہاتھ میں لے کر امیر المؤمنین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں: ''ممکن ہے کہ یہ زرّہ آپ کی ہو، لیکن اس کے لیے آپ کو قانون کے مطابق گواہ پیش کرنے ہوں گے، جو یہ گواہی دیں کہ یہ زرّہ آپ کی ہے۔''

امیر المؤمنین تھوڑی دیر بعد اپنے غلام اور دو صاحب زادوں حسنؓ اور حسینؓ کے ساتھ واپس آتے ہیں۔قاضی غلام سے گواہی لینے کے بعد حسنؓ اور حسینؓ کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

امیر المؤمنین دلیل کے طور پر یہ عرض کرتے ہیں: ''کیا تم نے نبی ﷺ کا وہ قول نہیں سنا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔''

''بالکل بجا فرمایا آپ نے۔'' قاضی تائید کرتا ہے۔

''تو پھر آپ ان کی گواہی قبول کیوں نہیں کر رہے؟''

قاضی جواب میں کہتا ہے: ''جناب! اسلامی قوانین کی رو سے بیٹوں کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاتی۔'' امیر المؤمنین خاموش ہو جاتے ہیں۔

بالآخر فیصلہ امیر المؤمنین علیؑ کے خلاف اور یہودی کے حق میں ہوتا ہے۔یہودی حیران و پریشان قاضی کو اطمینان سے فیصلہ کرتے اور امیر المؤمنین کو فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔

وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بہت مبارک ہے وہ دین جو ایک قاضی کو امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ کرنے میں لمحہ بھر کے لیے نہیں روکتا، جب کہ دوسرا فریق ہم مذہب بھی نہیں، بل کہ جانی دشمن ہے۔لمحوں میں اندر کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتا ہے، کہ کوئی نقیب اندر سے پکارتا ہے۔

"تمہیں تو اُس واقعے نے بھی تسلیمِ حق پر مجبور کر دیا تھا، جو آج سے کئی سال پہلے امیر المؤمنین عمرؓ اور ایک تاجر کے درمیان پیش آیا تھا اور جسے تم نے کب کا یہ کہہ کر روک رکھا تھا کہ وہ لوگوں کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔ اب آنکھوں دیکھنے کے بعد حق کو تسلیم کرنے سے کب تک خود کو روکو گے...؟"

بیٹا! یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے کہ جب چوراہے میں لوگوں کا مجمع بڑھتا جا رہا ہے۔ شُریح بن حارث لوگوں کے درمیان جگہ بناتے آگے بڑھتا ہے۔ دیکھتا کیا ہے کہ امیر المؤمنین عمرؓ ایک تاجر سے بحث کر رہے ہیں۔ کسی سے اصل معاملہ دریافت کرتے ہیں۔ پتا چلتا ہے کہ امیر المؤمنین نے اس تاجر سے دو دن پہلے گھوڑا اس شرط پر خریدا تھا کہ وہ ان کے امتحان پر پورا نہ اترا تو اسے ایک ہفتے کے درمیان واپس کر دیں گے۔ وہ گھوڑا آج واپس کرنے آئے ہیں، مگر تاجر واپس لینے پر آمادہ نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ گھوڑے کی اگلی ٹانگ زخمی ہے، اس لیے وہ گھوڑا واپس نہیں لے گا۔

کچھ بحث کے بعد امیر المؤمنین اور تاجر، شُریح کو اپنا ثالث بنانے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔ شُریح معاملہ معلوم کرنے کے بعد امیر المؤمنین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہتا ہے: "جناب! میرا فیصلہ تاجر کے حق میں اور آپ کے خلاف جاتا ہے۔"

امیر المؤمنین وجہ دریافت کرتے ہیں تو شُریح کہتا ہے: "جناب! آپ کی شرط امتحان میں کامیاب نہ ہونے کی صورت میں سالم گھوڑا واپس کرنے کی تھی۔" امیر المؤمنین تائیداً سر ہلاتے ہیں۔ "جب کہ اب یہ گھوڑا اس حالت میں نہیں، بل کہ زخمی ہے، لہٰذا آپ کو گھوڑا درست حالت میں واپس کرنا ہوگا۔ دوسری صورت میں تاجر گھوڑا واپس نہ لینے میں حق بجانب ہے۔" مدلّل انداز میں نوجوان شُریح کا فیصلہ سن کر امیر المؤمنین کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی ہے۔ وہ گھوڑا لیے مسرور انداز میں وہاں سے چل دیتے ہیں اور مسکراتے ہوئے کندی خاندان کے اِس پرہیزگار، علم و دانش، ذہانت، دیانت اور دانائی میں مشہور نوجوان کے بارے میں کوئی اور ہی فیصلہ سوچ لیتے ہیں۔

دوسرے دن امیر المؤمنین منبر پر کھڑے ایک بڑے مجمع کے سامنے شُریح بن حارث کو کوفہ کا قاضی بنانے کا اعلان کرتے ہیں۔ شریح اس عُہدے کے قبول کرنے میں متأمل ہیں۔ امیر المؤمنین مسکرا کر یہ کہتے ہوئے کندی نوجوان کو لاجواب کر دیتے ہیں: "آپ کی دیانت، فہم اور فیصلہ سازی کی صلاحیت کی گواہی دینے کے لیے کل بازار میں موجود لوگوں کی ایک بڑی تعداد آج یہاں بھی موجود ہے۔ آپ کو یہ عُہدہ قبول کرنا ہی ہوگا۔"

مجمع خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا ہے۔ یہودی بھری عدالت میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار پُرنم آنکھوں اور کپکپاتی آواز سے کرتے ہوئے یہ مژدہ بھی سنا دیتا ہے کہ: "ایک عام سے قاضی شریح بن حارث کا پہلے امیر المؤمنین عمرؓ کے خلاف فیصلہ اور پھر کوفہ کا قاضی بننے کے بعد امیر المؤمنین علیؓ کے خلاف فیصلہ اسلام کے اعلیٰ ترین نظامِ عدل کا مظہر ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ یہ لوگ حق پر ہیں اور عنقریب پوری دنیا ان کے اس انصاف پسندی کی بدولت ان کے زیرِ نگیں ہوگی، کیوں کہ انصاف سے بڑھ کر دنیا پر حکم رانی کرنے کی کوئی اور طاقت قانونِ قدرت نے کسی کو نہیں دی۔" امیر المؤمنین حضرت علیؓ آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیتے ہیں اور زرّہ کے ساتھ ساتھ ایک گھوڑا بھی اسے تحفے کے طور پر دیتے ہیں۔

یہ دونوں واقعات سنانے کے بعد وہ بزرگ پھر گویا ہوتے ہیں: "نوجوان! تم سوچ رہے ہو گے کہ وہ یہودی کون ہے؟ تو وہ میں ہوں اور انصاف پسند قاضی تمہارا باپ شُریح بن حارث ہے۔" نوجوان حیرت زدہ سا بزرگ کو دیکھتا رہ جاتا ہے۔

"میرے بیٹے! آج جب تمہارے والد قاضی شریح تمہارے خلاف فیصلہ سنا رہے تھے تو یہ میرے لیے اچنبھے کی بات نہ تھی۔ میں تمہارے تاثرات سے تمہارے بارے میں فکر مند تھا، اسی لیے تمہارے پیچھے چلا آیا۔"

بزرگ نوجوان کو مزید حیران کرتے ہوئے کہتا ہے: "تمہارا یہ سوال اپنی جگہ بجا ہے کہ تم نے جب ایک دن پہلے والد کو پوری صورتِ حال بتا کر مشورہ طلب کیا تھا کہ کیا میں یہ مقدمہ آپ کی عدالت میں لا کر جیتنے کی پوزیشن میں ہوں یا نہیں اور اگر میرا مؤقف کم زور ہے تو میں فریقِ ثانی سے صُلح کی کوشش کرتا ہوں تو تمہارے والد نے تمہیں فوری طور پر مقدمہ پیش کرنے کو کہا تھا۔ پھر مقدمے کا فیصلہ بھی انھوں نے تمہارے خلاف اور دوسرے فریق کے حق میں کر دیا، جس کی وجہ سے تمہیں ذلت اور بے عزتی برداشت کرنا پڑی تو میرے بچے! اصل بات یہ ہے کہ تمہارے والد صاحب تم سے حد درجہ محبت کرتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ تم کسی غریب کا حق مار کر صلح کر لو اور دنیا میں تمہارے "ضمیر پر بوجھ" ہو اور اس بوجھ کے ساتھ تم روزِ قیامت اللہ کے سامنے پیش ہو، انھوں نے دراصل تمہیں ہمیشہ رہنے والے اس بوجھ سے آزاد کیا ہے۔" نوجوان خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہوئے بزرگ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ گھر والے اس کی دیر سے غیر حاضری پر یقیناً فکر مند ہوں گے۔

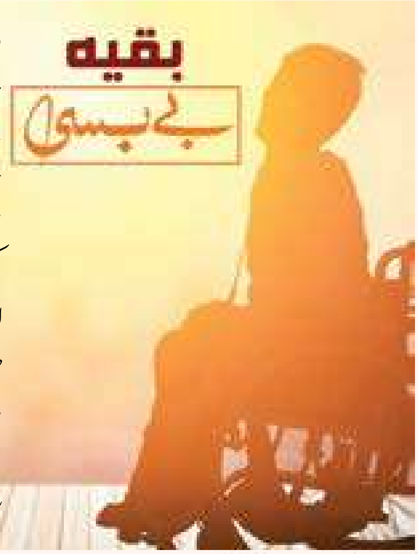

وہی چیخ و پکار تھی، وہی سب کچھ تھا، مگر وہاں چیئر پر بیٹھنے والا شخص بدل گیا تھا۔ علی اسید کی جگہ عفان ملک خود تھا۔ کار حادثے میں اپنی دونوں ٹانگیں وہ کھو چکا تھا۔ ثوبیہ بیگم تو بہت پہلے ہی علی اسید کے پاس چلی گئی تھیں، مگر عفان ملک نے اپنے کیے کا اسی دنیا میں مزہ چکھ لیا تھا، کیوں کہ دنیا تو ایک کھیتی کی مانند ہے، اس میں جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ آج عفان ملک تڑپ تڑپ کر علی اسید کو یاد کر کے روتا تھا، اس سے معافیاں مانگتا تھا۔ کاش! وقت لوٹ آئے، علی اسید... میں تیرے قدموں میں ہر خوشی ڈھیر کر دوں۔ اب گھنٹوں وہ وہیل چیئر میں پڑا رہتا۔ اسے رہ رہ کر علی اسید کو اپنی کہی ہوئی باتیں یاد آتیں۔ علی اسید کی مضطرب و بے چین آنکھیں ہر وقت اس کے سامنے رہتیں۔ وہ دل میں لاکھ بار اس سے معافی مانگتا۔

صہیب احمد بھی اپنے باپ سے اپنے چچازاد بھائی اور ماں کا بدلہ لینا چاہتا تھا، مگر پھر اس کے کانوں میں ٹیچر رفیع کا یہ فقرہ گونجنے لگتا: "بیٹا صہیب احمد! میری ایک بات یاد رکھنا۔ یہ دنیا ایک کھیتی ہے، اس میں جو بوؤ گے، وہی کاٹو گے۔" وہ نہیں چاہتا تھا کہ آج وہ اپنے باپ کے ساتھ وہی سلوک کرے، جو کل اس کے باپ نے علی اسید کے ساتھ کیا تھا، کیوں کہ وہ تیسرا شخص نہیں بننا چاہتا تھا، جو اس وہیل چیئر پر اور اسی کمرے میں بیٹھے۔

کسی شخص کے معذور ہونے میں اس کا کیا قصور ہوتا ہے ‘بل کہ اسے تو اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔وہ تو حد سے زیادہ حسّاس اور مخلص ہوتا ہے بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔وہ معذور ضرور تھا ‘مگر وہ سوچتا تھا کہ کیا ہوا جو اس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں؟ مگر دل تو ہے ناں ‘جس سے محسوس کرتے ہیں۔

ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں والے انسان کا دل تو سلامت تھا ‘مگر نجانے کیوں لوگ اسے بار بار توڑتے تھے؟ دلوں میں تو خدا رہتا ہے ‘پھر کیوں نہیں لوگ خیال کرتے اس معاملے میں؟ وہ کیوں بار بار اس تکلیف سے دوسروں کو دوچار کرتے ہیں؟ نماز بھی پڑھتے ہیں ‘روزے بھی رکھتے ہیں ‘مگر انسانیت کا خیال نہیں۔ نجانے کیوں دوسروں کے دل توڑ کر ہم خوشی محسوس کرتے ہیں؟ پتا نہیں کیوں لوگوں کے پتھر جیسے دلوں کو ٹھنڈک ملتی ہے ایسا کرنے سے؟ حالاں کہ دل توڑنا یا دل دکھانا تو بہت بڑا گناہ ہے۔اللہ نے انسان کو انسانیت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ نماز بھی پڑھیں ‘روزے بھی رکھیں ‘حج اور زکوۃ بھی ادا کریں ‘ مگر اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

کچھ ایسا ہی معاملہ عفان ملک کا اپنے معذور بھتیجے علی اسید سے تھا۔ جبران ملک اور اس کی بیوی کے ایک حادثے میں انتقال کے بعد علی اُسید اپنے چچا کی جھولی میں آن پڑا تھا ‘ وہ معذور تھا ‘ مگر اس کی چچی جو علی اُسید کی سگی خالی بھی تھی ‘ وہ اس کا بہت خیال رکھا کرتی تھی ‘ مگر عفان ملک اسے ایک بوجھ سمجھتا تھا اور بات بات پر طنز ‘ طعنہ اُس کی عادت بن گئی تھی۔ حد تو تب ہوتی ہے ‘جب اس کی چچی اسے کچھ کھلا پلا دیتی تو پھر اسید کے ساتھ ساتھ اس کی چچی کی بھی شامت آجاتی۔

”اسے کھلا پلا کر کیا فائدہ ہے۔ جتنا مرضی چاہے تم اسے کھلا پلا لو ‘رہنا تو اس نے ہمیشہ بستر پر ہی ہے ‘تم سمجھتی کیوں نہیں ہو یہ بات...؟؟“ عفان ملک گرج کر کہتا۔

”ہمارا صرف ایک ہی بیٹا ہے ‘صہیب احمد ‘اسے کھلاؤ ‘جس نے بڑے ہو کر ہمارا نام روشن کرنا ہے۔ یہ...“ وہ وہیل چیئر پر بیٹھے اسید کی طرف اشارہ کر کے کہتا: ”یہ تو ایک بوجھ ہے ہم پر ‘ پتا نہیں ہمارے کس گناہ کی سزا ہے ‘ نجانے کب ختم ہو گی یہ سزا۔“

وہ اضطراب سے کہتا اور ثوبیہ اپنے ہونٹ بھینچ کر اپنے آنسو پینے کی ناکام کوشش کرتی۔ وہ سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھی عفان ملک کو ‘ مگر عفان کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ وہ وقت کا فرعون بن جاتا تھا اسید علی کے لیے۔اس کے بس میں اگر ہوتا تو وہ اسید کا گلا دبانے سے بھی گریز نہ کرتا۔ وہ ایسا ہی تھا ‘ظالم ‘ جابر ‘ ناانصاف۔۔۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ علی اسید کا بھی دل کرتا تھا کہ وہ صہیب احمد کی طرح باہر کھیلنے جائے ‘خود کپڑے لینے جائے ‘خود باتھ جائے ‘ مگر وہ بے بس تھا اپنی معذوری کے ہاتھوں۔ وہ روتا ضرور تھا ‘ مگر اپنی معذوری کے دکھ پر نہیں ‘ بل کہ چچا کے اپنے ساتھ نفرت کرنے پر۔ وہ ایسا ہی تھا حسّاس ‘نرم دل ‘کیوں کہ ایسے معذور لوگوں کے دل بہت نرم اور ہم دردی کے لائق ہوتے ہیں ‘ مگر دنیا والے ان کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ نجانے کیوں لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ معذور لوگ کچھ نہیں کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی چیز لیتا ہے تو اسے اس کا بہترین بدلہ دیتا ہے بے ‘ شک اللہ بہتر سے بہترین دینے والے ہیں۔ ثوبیہ بیگم یہ بات مانتی تھی ‘ مگر عفان ملک موقع کے انتظار میں تھا اور آخر کار اسے موقع مل گیا۔

ثوبیہ بیگم ملک سے باہر تھیں اور صہیب احمد اسکول میں۔ عفان ملک کو اس سے بڑھ کر کوئی موقع نہیں ملنے والا تھا۔ علی اسید سفید شلوار قمیض میں ملبوس وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کو ایک ٹک دیکھ رہا تھا کہ اچانک کمرے میں تین شخص آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ‘ان میں سے ایک نے علی کے منہ میں ٹشو ٹھونسنا شروع کر دیا اور پھر وہ لوگ علی کو زنجیروں میں جکڑ کر کہیں دور پھینک آئے۔ وہ معذور شخص دور جنگل کے گڑھے میں پڑا گھنٹوں تڑپتا رہا ‘اس نے مدد کے لیے بہت آہ و پکار کی ‘ چیختا چلّاتا رہا ‘ مگر اس کی مدد کو کوئی نہیں آیا۔ اسید نے کروٹیں لینے اور اٹھنے کی کوشش میں اپنے آپ کو لہولہان کر دیا تھا۔ اس کے خون پر کوئی نہ رویا ‘لیکن نہیں ‘ایسا نہیں ہے ‘اس کی تکلیف پر آسمان بھی رویا ‘زمین نے بھی دکھ منائے اور بادل بھی برس برس کر رویا اور اپنے ساتھ علی اسید کے خون کو بھی بہا لے گیا۔

ثوبیہ واپس آچکی تھی۔ صہیب احمد اسکول سے آیا ‘ علی اسید میں اس کی جان تھی۔ علی اسید کو نہ پا کر اس نے باپ سے دریافت کیا اور اس کے باپ نے سب کے سامنے سفید جھوٹ بولا کہ اس نے علی اسید کو باہر علاج کے لیے بھجوا دیا ہے۔ ثوبیہ اور صہیب سب سمجھتے تھے ‘ مگر چپ تھے ‘ انھوں نے فیصلہ اپنے رب پر چھوڑ دیا تھا۔

آج آٹھ سال بعد وہی کمرہ تھا ‘ (بقیہ ص 33 پر)

8
Parus
Plastic
Pg35

ننھے ادیب

اسی میں خیر ہو گی

محمد ابوبکر کامران، 10 سال، شعبہ حفظ، کراچی

میری امی مجھے ہر بات میں؛ کوئی چوٹ لگ جائے یا کوئی نقصان ہو جائے کہتی ہیں کہ ”اسی میں خیر ہو گی۔“ مجھے دِل میں بہت غصہ آتا ہے۔

وہ جمعہ کا دِن تھا‘ جب میں اپنے نانا ابّو کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرنے گیا۔ وہاں امام صاحب کا بیان سنا۔ انھوں نے جو واقعہ سنایا‘ وہ کچھ یوں تھا:

ایک بادشاہ تھا‘ اس کا ایک وزیر تھا‘ وہ ہر بات میں کہا کرتا تھا کہ ”اسی میں خیر ہو گی۔“ بادشاہ کو شکار کا بہت شوق تھا‘ ایک دِن وہ اپنے وزیر کو ساتھ لے کر شکار پر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ بندوق صاف کرتے ہوئے بادشاہ کی انگلی پر گولی چل گئی‘ جس سے اس کی انگلی زخمی ہو گئی۔ ایک دَم ہی وزیر کے منہ سے نکلا کہ اسی میں خیر ہو گی۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے اسے قید میں ڈلوا دیا۔ وزیر بولا: مجھے قید کرنے میں بھی خیر ہی ہو گی۔ بادشاہ کو مزید غصہ آیا‘ اس نے درباریوں سے کہا ”اس کو روز دس جوتے لگا۔“ انگلی کا زخم جب بہتر ہوا تو بادشاہ شکار کو گیا‘ اسے ایک ہرن نظر آیا‘ اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہ جنگل تک پہنچ گیا۔ وہاں آدم خوروں نے اسے پکڑ لیا۔ اگلے دِن وہ انھیں اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ سردار کی نگاہ اس کی انگلی کے زخم پر گئی تو سردار نے کہا: ہم بیمار اور زخمی کو نہیں کھاتے اور اس کی انگلی میں زخم ہے‘ اس لیے ہم اسے نہیں کھا سکتے۔ یوں وہ بادشاہ کو واپس چھوڑ آئے۔ جب بادشاہ محل میں پہنچا تو اس نے وزیر کو بلا کر اس سے معافی مانگی اور اس کو بتایا کہ انگلی میں زخم لگنے میں واقعی خیر تھی۔

وزیر ایک بار پھر بولا: میں ساتھ نہیں گیا‘ اس میں بھی خیر تھی کہ میں صحت مند تھا‘ وہ مجھے کھا لیتے۔“ بادشاہ ہنسنے لگا۔

ساتھیو! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ہماری امی سے بھی ننانوے درجے زیادہ محبت کرتے ہیں‘ تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے جو کرتے ہیں‘ بعض اوقات ہمیں وہ بُرا لگ جاتا ہے‘ لیکن اُس میں ہمارے لیے خیر ہوتی ہے۔

جلد بازی کا انجام

سعد عبدالوحید، کلاس پنجم، کبیر والا

خانیوال کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں کریم بخش اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ رہتا تھا‘ اس کے دو بیٹے حسان اور حسن اور ایک بیٹی صبا تھی۔ ایک شام جب کریم بخش کام کر کے گھر آیا تو اس نے اپنے بیٹوں اور بیٹی سے کہا کہ اگلے اتوار ہم سیر کے لیے جائیں گے۔

اتوار کے دن صبح ہوتے ہی سب نے تیاری شروع کر دی اور سیر کے لیے چلے گئے۔ انھوں نے سیر سے بہت لطف اٹھایا‘ جب وہ لوگ سیر سے واپس آرہے تھے تو کریم بخش کے چھوٹے بیٹے حسان نے سڑک کے اس طرف ٹھیلے پر مختلف کھلونے دیکھے‘ اس نے فوراً دوڑ لگا دی اور سڑک کے درمیان پہنچ گیا۔ آگے سے تیز رفتار گاڑی آرہی تھی‘ گاڑی نے اسے زوردار ٹکر ماری اور چلی گئی‘ لوگوں نے گاڑی کا پیچھا کیا مگر بے سود۔۔۔ کریم بخش نے آگے بڑھ کر بچے کو اٹھایا‘ اس کے سر سے خون نکل رہا تھا‘ وہ اسے فوراً ہسپتال لے گیا‘ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ اس کی ماں کا رو رو کر برا حال ہو گیا‘ کریم بخش اسے دوسرے ہسپتال لے جا رہا تھا کہ اس نے دم توڑ دیا۔

دوستو! آپ جب بھی کہیں سیر یا کسی کام سے باہر جائیں تو سڑک عبور کرنے سے پہلے دائیں طرف‘ پھر بائیں طرف اور پھر دائیں طرف دیکھ کر سڑک عبور کریں‘ اگر کوئی گاڑی یا موٹر سائیکل آرہی ہو تو رک جائیں‘ جب وہ گزر جائے تو سڑک عبور کریں۔

محمد زید، 8 سال کلاس دوم کراچی

ذکوان شہزاد 9 سال کلاس چہارم کراچی

محمد مونس، 9 سال شعبہ حفظ کراچی

محمد سعد عبداللہ 10 سال شعبہ حفظ، بیت السلام تلہ گنگ

بچوں کے فن پارے

آئمہ، 7 سال کلاس دوم کراچی

سید عمر علی، 6 سال کلاس ون، کراچی

مراد شعیب 13 سال شعبہ حفظ کراچی

محمد عبداللہ 11 سال شعبہ حفظ بیت السلام تلہ گنگ

محمد کمال 12 سال [illegible] کراچی

محمد حذیفہ 6 سال کلاس ون اے کراچی

عاشی کی عینک

ڈاکٹر الماس روحی

عاشی ایک بڑی عقلمند اور پیاری بچی تھی۔ بس وہ شرارتیں بہت کرتی تھی۔ اس کے دو بھائی تھے۔ ان کے نام علی اور عابد تھے۔ وہ دونوں اسکول جاتے تھے۔ عاشی کی عمر ابھی بہت کم تھی اس لیے وہ گھر میں رہتی تھی۔ جب اس کے بھائی اسکول چلے جاتے تو وہ اپنے کھلونوں سے کھیلتی تھی۔ جیسے ہی اس کی نانی اپنی عینک اتار کر میز پر رکھتیں عاشی جھٹ پٹ ان کی عینک اٹھا کر اپنی ناک پر ٹکا لیتی اور پردے کے پیچھے چھپ جاتی۔ اس کی نانی اس کی اس عادت پر بہت ہنستیں اور پھر پیار سے وہ عینک اس سے واپس لے لیتیں۔ نانی عینک لگا کر صبح سویرے قرآن کریم کی تلاوت کرتیں اس کے بعد ناشتہ کرتیں اور اور پھر اخبار پڑھنے میں مصروف ہو جاتیں۔ جب وہ نماز کے لیے وضو کرنے کے لیے جاتیں یا سونے کے لیے بستر پر جاتیں تو اپنی عینک اتار لیتیں۔ عینک کے بغیر وہ دیکھ نہیں پاتیں تھیں کہ عورت ہے یا مرد، لڑکا ہے یا لڑکی۔ عام طور پر وہ اب عینک لگا کر ہی رکھتیں تھیں ہر چیز کا انہیں علم تھا۔ وہ کچھ نہ کچھ پڑھتی ہی رہتی تھیں۔ وہ ایک عالی ظرف انسان تھیں۔ انہیں عطر کی خوشبو اور چھوٹے چھوٹے بچے بہت عزیز تھے۔ عید پر وہ بچوں کو طرح طرح کے تحفے دیتی تھیں۔ محلے میں ان کی بہت عزت تھی اس لیے کہ وہ ہر ایک کے کام آتی تھیں۔ ایک روز نانی عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے جا رہی تھیں۔ انہوں نے وضو کرنے کے لیے جیسے ہی اپنی عینک اتار کر میز پر رکھی، عاشی چپکے سے نانی کے کمرے میں آئی اور عینک اٹھا کر لے گئی۔ عینک لگا کر وہ جھوٹ موٹ اخبار پڑھنے لگی لیکن یہ کیا؟ اسے تو سب دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ اسے کچھ عجیب سا بھی لگ رہا تھا۔ اس نے عینک ناک پر پھر سے جمائی اور ایک کتاب عابد کے بیگ سے نکالی اور آرام سے اس پر بنی ہوئی تصویریں دیکھنے لگی۔ کتاب پر ایک عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس عمارت کی کھڑکیوں سے بہت سے بچے جھانک رہے تھے۔ عاشی ان بچوں کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے عابد نے آکر اسے ڈرایا۔ عاشی ڈر کے مارے نیچے گر گئی اور رونے لگی۔ نیچے گرنے سے نانی کی عینک ٹوٹ گئی۔ عاشی نے ابو کو عابد کی شکایت لگائی۔ اتنے میں نانی بھی شور سن کر آگئیں اور اپنی ٹوٹی ہوئی عینک دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

”مجھے پتا تھا کہ ایک دن میری اس عینک کو ٹوٹنا ہے۔ عاشی! اب میں اخبار کیسے پڑھوں گی؟“ انھوں نے عاشی سے کہا۔

روتی ہوئی عاشی کو ابو نے ڈھیروں پیار کیا۔ کچھ دیر بعد ابو عاشی کو بازار لے کر گئے اور نانی کے لیے ایک نئی عینک لینے لگے۔ اچانک انہیں خیال آیا کہ عاشی تو پھر اس عینک کو توڑ دے گی۔ اس لیے انھوں نے عاشی کو ایک عینک کا فریم دلا دیا۔ اب عاشی وہ عینک کا فریم لگا کر نانی کی طرح مزے سے مگر الٹا اخبار جھوٹ موٹ پڑھتی ہے۔ اس کی عینک دیکھ کر امی، ابو، نانی، علی اور عابد خوب ہنستے ہیں۔

عینک	چشمہ
علم	جاننا
عشاء	رات کی نماز
عام طور پر	روزانہ
عدل	انصاف
عقل مند	سمجھ دار
عزت	وقار
عطر	خوشبو
عزیز	پیارا
عالی ظرف	بلند ہمت، بلند حوصلہ

اور جابر جاگ گیا

زبیر فرید

شام کا وقت تھا۔ مصطفی نمازِ عصر کے بعد سائیکل لے کر سیر کو نکلا۔ راستے میں اس کی ملاقات اپنے کلاس فیلو جابر سے ہوئی۔

مصطفی: ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔‘‘

جابر: ’’وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔‘‘

مصطفی: ’’کیسے ہو دوست؟‘‘

جابر: ’’الحمدللہ! آپ سناؤ۔‘‘

مصطفی: ’’اللہ کا شکر ہے، میں بھی خیریت سے ہوں۔ بھائی! ایک بات پوچھوں، برا تو نہیں مانو گے؟‘‘

جابر: ’’نہیں نہیں، کہو۔ کیا بات ہے؟‘‘

مصطفی: ’’میں نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ آپ چار نمازوں میں تو مسجد میں نظر آتے ہو، لیکن فجر کی نماز میں دکھائی نہیں دیتے؟ کیا کسی اور مسجد میں جاتے ہو یا گھر ہی میں پڑھ لیتے ہو؟‘‘

جابر نے شرمندگی سے کہا: ’’بس یار! مت پوچھو! فجر کی نماز کے وقت میں بستر پر ہوتا ہوں۔‘‘

مصطفی نے حیرت سے پوچھا: ’’کیا مطلب؟ فجر کی نماز بستر پر پڑھتے ہو؟‘‘

جابر: ’’میرا مطلب ہے کہ فجر کے وقت میں بستر پر سورہا ہوتا ہوں۔‘‘

مصطفی: اچھا! تو یہ بات ہے، جب ہی آپ روزانہ اسکول بھی دیر سے آتے ہو، لیکن بھائی! یہ تو بہت بری بات ہے۔ اس کے تو بہت نقصانات ہیں۔

جابر نے حیرت سے پوچھا: ’’وہ کیا؟‘‘

مصطفی: ’’دیکھو بھئی! اگر آپ دیر سے سوؤ گے تو لازمی بات ہے کہ پھر دیر سے ہی اٹھو گے، اس طرح دن بھر سستی چھائی رہے گی، کوئی کام ٹھیک طریقے سے نہ ہوگا۔ اسی طرح دیر تک سوئے رہنا رزق میں تنگی کا سبب ہے اور دیر سے اٹھنے سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے: ’’جو (فجر کے) فرض کی ادائیگی سے غافل سویا رہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کیا۔‘‘ (صحیح ابن حبان) شیطان کے پیشاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس غفلت کی بنا پر شیطان اس پر اپنا اثر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز جماعت سے چھوڑنے اور قضا کرنے کا گناہ الگ سے ملتا ہے۔ یہ کہہ کر مصطفی کچھ دیر کے لیے چپ رہا، پھر کہنے لگا: ’’بھئی! آپ اس عادت کو ختم کیوں نہیں کرتے؟‘‘

جابر: ’’کیا کروں بھائی! بہت کوشش کی، مگر کچھ نہ بنا۔ امی، ابو بھی ڈانٹتے ہیں۔‘‘

مصطفی: ’’کیا میں کچھ مشورہ دے سکتا ہوں؟‘‘

جابر: ’’نیکی اور پوچھ پوچھ! ضرور کہو۔‘‘

مصطفی: ’’پہلے یہ بتاؤ، کیا آپ نے سوچا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟‘‘

جابر: ’’جی مگر کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ الارم بھی لگاتا ہوں، دعا پڑھ کر بھی سوتا ہوں، مگر پھر بھی آنکھ نہیں کھلتی۔‘‘

مصطفی: ’’دیکھو بھئی! اگر آپ دیر سے سوؤ گے تو جلدی آنکھ کیسے کھلے گی۔ رات کو ٹی وی، گیم یا چیٹ

وغیرہ میں وقت ضائع کرنے کے بجائے جلدی سو جایا کرو، جب آپ رات دیر تک ایسی چیزیں دیکھو گے تو ان سے برے اور ڈراؤنے خواب بھی آئیں گے اور نیند بھی دیر سے آئے گی، کیوں کہ سارا ذہن اسی کی طرف گھوم رہا ہوگا اور گندی چیزیں دیکھنے کا گناہ الگ ہے۔ ایسا ہے یا نہیں؟" یہ کہہ کر مصطفی نے جابر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

جابر: "یہ بات تو آپ نے بالکل ٹھیک کہی ہے، میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

مصطفی: "اس لیے بہتر یہ ہے کہ دینی قصے پڑھنے کی عادت ڈالو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ نیند بھی جلدی آجائے گی اور وقت بھی قیمتی بن جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ خواب بھی اچھے دکھائی دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ! اور ہاں، سونے سے پہلے دعائیں اور آیت الکرسی ضرور پڑھا کرو اور پختہ نیت کر کے سونا کہ آج تو فجر کی نماز میں اٹھنا ہی ہے۔ میں تو اذان کی آواز سنتے ہی اٹھ جاتا ہوں، الحمد للہ!"

جابر: "آج سے میں بھی جلدی سونے کی کوشش کروں گا، جو باتیں آپ نے بتائی ہے، ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کروں گا۔ جزاک اللہ خیراً۔"

مصطفی: "اور ہاں! پھر میرے ساتھ سیر پر بھی چلنا فجر کی نماز پڑھ کر۔"

جابر: "انشاء اللہ، ضرور!

اس کے بعد واقعی ایسا ہی ہوا۔ جابر باقاعدگی سے فجر کی نماز میں اٹھنے لگا اور مسجد میں آنے لگا۔ تو بچو! جابر نے تو فجر کی نماز وقت پر ادا کرنے کی عادت ڈال لی اور آپ بھی آج ہی سے اس کی نیت کر لیں۔

پیارے بچو! ہمیں یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ موت برحق ہے۔ ہر ذی نفس کو موت آنی ہے اور انسان کی پیدائش تو ایک ترتیب سے ہے کہ پہلے دادا، پھر باپ، پھر بیٹا، لیکن اس دُنیا سے جانے کی کوئی ترتیب نہیں۔

ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ موت کو اس قدر قریب سمجھتے تھے کہ جیسے ایک دروازے سے انسان داخل ہو اور دوسرے سے نکل جائے۔

لہٰذا بچو! ہمیں ہر کام کرتے وقت اپنی موت کو سامنے رکھنا چاہیے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کسی کا دِل نہ دُکھایا جائے، کسی کے ساتھ ایسا رویّہ اور ایسی ناگواری کی بات نہیں کرنی چاہیے، جس سے کسی کا دِل دُکھ جائے اور اُمید ہے کہ پیارے بچو! آپ اپنے والدین، اساتذہ، رشتے داروں، دوستوں اور آس پاس والوں کا خیال رکھتے ہی ہوں گے کہ اِن میں سے کسی کا دِل نہ دُکھے۔

اور ہاں بچو! اگر کوئی آپ کا دِل دُکھائے تو اسے پیار سے سمجھانا چاہیے اور اپنے دِل میں یہ پکا ارادہ کرنا چاہیے کہ اگر اس نے اچھی حرکت نہیں کی تو نہ سہی، لیکن میں یہ دِل دُکھانے والی حرکت نہیں کروں گا۔

ماہنامہ فہمِ دین مئی کے نئے سوالات

سوال نمبر 1: روزے میں کن پانچ چیزوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے؟

سوال نمبر 2: روزہ کس چیز سے ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال نمبر 3: فتح مکہ کی اسلامی تاریخ کون سی تھی؟

سوال نمبر 4: پیارے بچے! اپنی ایک خواہش بتائیں؟

سوال نمبر 5: رمضان کے مہینے میں چار کام کون سے خاص کرنے کے ہیں؟

مارچ کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1...محمد باسم' 12 سال' ہفتم' کراچی

2...عکاشہ عبید' 14 سال' حفظ' کراچی

3...نعمان یوسف باوانی' 12 سال' ششم' کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہمِ دین مبارک ہو۔

مارچ کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1: 70

سوال نمبر 2: کہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔

سوال نمبر 3: معراج کے موقع پر

سوال نمبر 4: اپنے چمڑے کے موزے میں پانی پلایا۔

سوال نمبر 5: حضرت جنید جمشید

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام' عمر' کلاس' ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھے گا' ورنہ وہ قابل اشاعت نہیں ہوگا۔ اور پھر اسے ماہنامہ فہم دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں' یا پھر وٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کر دیں۔

9
Parvez
Omar
Pg41

مناجاتِ الٰہی

ہارون رشید صقرؔ متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

تو جذبۂ توحید سے معمور فرما دے
اس بندۂ عاصی کو تو مخمور فرما دے
تو جام حق کا دے دے مجھ کو اور کچھ نہ دے
تو دینِ طٰہٰ سے مجھے مسحور فرما دے
جو زندگی میری ہو، تیری چاہتوں پہ ہو
بس طاعتوں پہ تو مجھے مجبور فرما دے
دِل کے دریچوں پہ مرے جو پڑ گئے پردے
میرے مولیٰ! تو انھیں کافور فرما دے
کٹ جائے میری زندگی تیری اطاعت میں
یوں زندگی میری کو تو بانور فرما دے
تیری شریعت کی حفاظت ہو مرا مقصد
تو عدوّ دین کو مثبور فرما دے
معرفت تیری ہو حاصل، میرے مولیٰ بس
تو بادۂ عرفان سے مخمور فرما دے
بس ڈال دے مجھ پہ تجلی رحمتوں کی تو
دِل کو مرے اس سے سراپا طور فرما دے
یہ نفسِ عاصی الجھنوں میں ڈال دیتا ہے
اس نفسِ ظالم کو اے رب! مقہور فرما دے
ظالم بنوں! نہ ظلم کی چاہت کرے یہ دِل
اس قلبِ خالی کو تو رب، بے جُور فرما دے
یہ التجائے صقرؔ ہے، کرتا ہے جو تجھ سے
الفاظِ بے مایہ کو تو مشہور فرما دے

مثبور: ہلاک — جُور: ظلم

طور: کوہِ طور پر رب کی تجلی پڑنے سے جو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا، اس کی طرف اشارہ ہے۔

اچھی صحبت

ارسلان اللہ خان

صحبتِ بد سے رہو تم بَر کنار
اچھی صحبت کو کرو تم اختیار
دوست جتنے بد ہیں، اُن کو چھوڑ دو
اُن سے اپنی دوستی کو توڑ دو
نیک لوگوں میں رہو گے صبح و شام
ایک دِن تم بھی بنو گے نیک نام
جن میں ہوں اللہ والوں کے شعار
ساتھ اُن کے پاؤ گے دِل کا قرار
یہ بُری صحبت ہے لوگو! وہ عذاب
نوحؑ کا بیٹا ہوا جس میں خراب
کہف والوں میں تھا جو اِک جانور
اُن کی صحبت میں ہوا وہ بھی اَمر
اللہ والوں کی ہے محبت وہ حصار
رحمتیں جس میں چھپی ہیں بے شُمار
اے خدا! تجھ سے ہے میری یہ دعا
تو صدا اچھوں کی مجلس میں بٹھا
ارسلاںؔ جتنے بھی پاؤ صالحین
اُن کی صحبت ہی کو سمجھو تم ثمین

گلدستہ

رب تعالیٰ سے مُناجات

تُو رحیم ہے تُو کریم ہے، مری سب دعائیں قبول کر
مرے سب گناہ معاف کر، مری سب خطائوں کو بھول کر
مرے سر پہ کتنے ہی قرض ہیں جو اُتارنے ہیں مجھے ابھی
درِ توبہ تیرا کُھلا ہوا، مرے سارے قرض وصول کر
مری راہیں دُھول ہی دُھول ہیں، مرے باغ خار ہی خار ہیں
مری سب فضائوں کو صاف کر، مرے خار خار کو پھول کر
تُو ہے ایک مالکِ جُزر و کُل، مجھے ڈال اپنی ہی راہ پر
میں کبھی نہ بُھولوں یہ راستہ، مرا ہادی حُبِ رسول ﷺ کر
میں تو ہوں تری ہی پناہ میں، میں تو گم ہوں تیری ہی چاہ میں
رہوں تیری راہ پہ گامزن، مجھے تُو عطا وہ اصول کر
سبھی کائناتوں کو پائوں گا، میں اِدھر ہی لوٹ کے آئوں گا
میں تو اپنے گھر ہی میں جائوں گا، سبھی آسمانوں پہ جھول کر
تری راہ سے ہیں کٹے ہوئے، ہمیں سیدھی راہ پہ ڈال دے
ترے پاس جتنی ہیں رحمتیں، سبھی رحمتوں کا نزول کر

جمیل ملک

مغرب کی چار رکعت

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ مغرب کی تین رکعت پڑھنا فرض ہے،
اب ایک شخص کہے کہ معاذ اللہ! یہ تین کا عدد کچھ بے تُکا سا ہے،
چار رکعت پوری کیوں نہ پڑھیں؟ پھر وہ شخص تین کے بجائے چار رکعت پڑھ لیتا ہے۔
بتایئے اس نے کیا گناہ کیا؟
کیا اس نے شراب پی لی؟ کیا چوری کر لی یا ڈاکہ ڈالا؟ یا کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کر لیا؟
صرف اتنا ہی تو کیا کہ ایک رکعت زیادہ پڑھ لی،
جس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا، ایک رکوع زیادہ کیا، دو سجدے زیادہ کیے اور اللہ کا نام لیا۔
اب اس میں اس نے کیا گناہ کر لیا،
لیکن ہوگا یہ کہ چوتھی رکعت جو اس نے زیادہ پڑھی، نہ صرف یہ کہ زیادہ اجر کا موجب نہیں ہوگی،
بل کہ ان پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی اور ان کو بھی خراب کر دے گی، کیوں؟
اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہے،
سنت اور بدعت میں یہی فرق ہے کہ جو طریقہ بتایا ہوا ہے، وہ سنت ہے
اور جو بتایا ہوا طریقہ نہیں ہے، بل کہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہے اور دیکھنے میں بہت اچھا معلوم ہوتا ہے،
لیکن اس کا کوئی فائدہ، کوئی اجر و ثواب نہیں۔ یہ بدعت ہے۔

(شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، اصلاحی خطبات، ج: ۲، ص: ۱۳۸)

رسولِ عربی ﷺ

جن کے سائے میں زمانے کو اماں ملتی ہے
رحمتِ حق کے وہ پیکر ہیں رسولِ عربی ﷺ
جنگِ احزاب میں دیکھا ہے صحابہؓ نے یہی
باندھے خود پیٹ پہ پتھر ہیں رسولِ عربی ﷺ
دشمنِ جاں کو بھی سینے سے لگایا ہے صدا
حسنِ اخلاق کے محور ہیں رسولِ عربی ﷺ
جس کی اِک بوند بھی انساں بنا دیتی ہے
علم و حکمت کے وہ ساگر ہیں رسولِ عربی ﷺ
جنگِ اقدس کے تناظر میں اگر دیکھیں گے
فاتحِ مکہ و خیبر ہیں رسولِ عربی ﷺ
یہ تو ایمان مرا روزِ ازل سے ہے جمیلؔ
سرحدِ فہم سے بڑھ کر ہیں رسولِ عربی ﷺ

جمیلؔ عظیم آبادی

اھم وصیتیں

فرمایا کہ دینی و دنیاوی مضرتوں پر نظر کر کے ان اُمور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔

- شہوت و غضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں۔
- بغیر مشورہ کے کوئی عمل نہ کریں۔
- مخلوق سے شدید ضرورت کے بغیر اور کسی مصلحت کے بغیر زیادہ میل جول رکھنا، جب کہ وہ دوستی کے درجے تک پہنچ جائے، پھر خصوصاً جب اُن میں سے ہر ایک کو راز دار بھی بنا لیا جائے، انتہائی مضر چیز ہے۔
- بہت زیادہ بولنا، اگرچہ مباح چیزوں میں ہو، سخت مضر ہے۔
- غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔
- جب تک کھانے کی طلب نہ ہو، کھانا ہر گز نہ کھائیں۔
- جب تک سخت تقاضا نہ ہو، بیوی سے قربت نہ کریں۔
- جب تک سخت حاجت نہ ہو، قرض بالکل نہ لیں۔
- فضول خرچی کے پاس ہر گز نہ جائیں۔
- غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔
- سخت مزاجی اور تند خوئی کی عادت نہ ڈالیں۔
- نرمی اور ضبط و تحمل کو اپنی عادت بنائیں۔
- ریاکاری اور تکلّف سے بہت بچیں۔ اقوال و افعال میں بھی اور طعام و لباس میں بھی۔
- مقتدا کو چاہیے کہ امرا سے نہ بدخلقی کریں اور نہ زیادہ میل جول بڑھائیں اور نہ انھیں حتی الامکان مقصود بنائیں، بالخصوص دُنیاوی نفع حاصل کرنے کے لیے۔
- معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ اہم سمجھیں۔
- روایت و حکایت میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دین دار فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔
- بغیر ضرورت کے تو دوائی قطعاً استعمال نہ کریں اور ضرورت کے وقت بھی ماہر ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر دوائی بالکل استعمال نہ کریں۔
- گناہ اور لایعنی باتوں سے زبان کو غایت درجہ محفوظ رکھیں۔
- حق پرست رہیں، مگر اپنے قول پر جمود نہ کریں۔
- تعلقات نہ بڑھائیں۔
- کسی کے دُنیاوی معاملے میں دخل نہ دیں۔
- حتی الامکان دُنیا و ما فیہا سے جی نہ لگائیں اور کسی وقت فکرِ آخرت سے غافل نہ ہوں۔
- ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں گے کہ اگر اسی وقت پیامِ اجل آ جائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو۔ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ اور ہر وقت یہ سمجھیں کہ شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دِن کے استغفار کرتے رہیں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سُبک دوش رہیں۔
- خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد نہایت لجاجت اور تضرّع سے اِس کی دُعا کیا کریں اور ایمان کی نعمت پر شکر کیا کریں، لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ کے وعدہ کے مطابق یہ بھی خاتمہ بالخیر کے اہم اسباب میں سے ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ج:۲۲، ص:۶۲۳)

مرسلہ: قاری طارق شاہ، مدرّس جامعہ بیت السلام کراچی

آپ کے اشعار

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے
خواجہ حیدر علی آتش

موت سے کس کو رُستگاری ہے
آج وہ، کل ہماری باری ہے
شوق لکھنوی

اے ذوق! تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام میں ہے وہ، جو تکلف نہیں کرتا
شیخ ابراہیم ذوق

یہ مسائلِ تصوف، یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا
اسد اللہ خان غالبؔ

ہر جا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
میر ببر علی انیسؔ

سمایا ہے جب سے تو، نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے
نصیر الدین حیدر بادشاہ

خبر سن کر مرے مرنے کی، وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے، بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں
نواب میرزا خان داغؔ

بہت لگتا ہے دِل صحبت میں اس کی
وہ اپنی ذات سے اِک انجمن ہے
الطاف حسین حالیؔ

باغ باں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا، وہی پتے ہوا دینے لگے
ثاقب لکھنوی

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی
اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

مئی 2017ء بطابق شعبان المعظم 1438ھ

جامعہ بیت السلام کراچی میں جہری نمازوں کے امام حضرت مولانا ذیشان خان کا نماز فجر میں قرآن کریم کی تکمیل

نمازِ فجر میں 10 ماہ میں قرآن مکمل کیا، آخری روز دو رکعت میں 22 مختلف لہجوں میں سورۃ التین سے سورت الناس تک تلاوت کی گئی

کراچی (نمائندہ خصوصی) جامعہ بیت السلام کے استاذ اور جہری نمازوں کے امام حضرت مولانا ذیشان خان نے امامت کرتے ہوئے فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تکمیل کی ' یہ سلسلہ تقریبا 10 ماہ میں مکمل ہوا۔ آخری روز سورۃ التین سے سورۃ الناس تک تلاوت کی اور 22 مختلف لہجے اور روایات میں قرآن پڑھا۔ نماز کے بعد حضرت رئیس الجامعہ کا بیان ہوا' جس میں قرآن کریم پڑھنے کے فضائل اور برکات پر گفتگو فرمائی۔

جامعہ بیت السلام میں قرآنی خطاطی کی دوسری سالانہ نمائش

استاد محفوظ دہلوی سمیت خطاط اساتذہ کی آمد، ایک ہزار افراد کی نمائش میں شرکت، 100 نے تعریفی تاثرات تحریر کیے

کراچی (نمائندہ خصوصی) جامعہ بیت السلام میں قرآنی خطاطی کی دوسری سالانہ نمائش کا اہتمام کیا گیا' جس میں جامعہ کے مختلف شعبہ جات کے 42 طلبہ نے حصہ لیا' ان طلبہ نے اپنے استاذ مولانا ذو الفقار احمد کی ہدایات کے مطابق خطاطی کی' نمائش میں جن خصوصی مہمانوں نے شرکت کی' ان میں فن خطاطی کے ماہر استاد محفوظ احمد دہلوی' کراچی یونی ورسٹی میں اسلامک آرٹ کے پروفیسر استاد محمد کاشف خان' جامعہ فاروقیہ کراچی میں استاذِ خطاطی مولانا نوید معروف' جامعہ بیت العلم کراچی کے استاذِ خطاطی مولانا عبد الرؤف شاکر شامل ہیں۔ نمائش کا افتتاح استاد محفوظ دہلوی کے فیتہ کاٹنے سے ہوا' اس موقع پر جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ مولانا مفتی محمد نعمان' ناظمِ تعلیمات مفتی محمد توحید' مولانا نوید' مولانا ذوالفقار اور دیگر اساتذہ کرام موجود تھے۔ ہزار کے لگ بھگ افراد نے فنِ خطاطی کی نمائش دیکھی' جن میں جامعہ کے اساتذہ' طلبہ کے علاوہ' طلبہ کے سرپرست حضرات اور دیگر مہمان شامل ہیں۔

مدرسہ بیت السلام ڈیفنس کے حفاظ کو ایک سال تک فہم دین اعزازی ملے گا

مخصوص دکانوں سے خریداری پر خصوصی رعایت بھی ملے گی، اعزاز و رعایت کی مدت ایک سال ہے

کراچی (نمائندہ خصوصی) مدرسہ جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس فیز 4 کی انتظامیہ اپنے حفاظ طلبہ کو لائف ممبر شپ دے رہی ہے' جس کے کارڈ کی ہر سال تجدید کروانا ہوگی' اس سلسلے میں ایک خصوصی اجتماع حفاظ ری یونین کے عنوان سے گزشتہ ہفتے جامع مسجد بیت السلام میں بعد نماز مغرب ہوا' جس میں تقریبا ڈھائی سو حفاظ نے شرکت کی' ڈیڑھ سو کے لگ بھگ طلبہ کو ممبر شپ کارڈ دیا گیا جو اپریل 2017 سے مارچ 2018 تک کار آمد رہے گا۔ اس ممبر شپ کے فوائد بتاتے ہوئے مولانا عثمان نے بتایا کہ ان بچوں کو ایک سال تک مقبول عام میگزین ماہ نامہ فہم دین اعزازی طور پر ان کے گھر بھیجا جائے گا' نیز مکتبہ فہم دین اور چند مخصوص دکانوں سے خریداری پر ان کے لیے خصوصی رعایت ہو گی۔

10

Junaid jamshed

11

Brighto

49

Back Cover